احمد اقبال

شاید آپ کی نظر سے اخبار میں انتقال پرملال کے عنوان سے ایک اشتہار گزرا ہو جس میں ڈاکٹر سائمن کے پسماندگان کی طرف سے ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا گیا تھا جنہوں نے ان کی اچانک وفات پر تعزیتی پیغامات کے ذریعہ اظہار ہمدردی کیا تھا اور جن کا وہ فرداً فرداً شکریہ ادا نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ ایسے لوگوں کی تعداد ہزاروں تک تھی۔ گو بات پرانی نہیں لیکن لوگ جب اخبار پڑھتے ہیں تو اس قسم کے اطلاعات کو عموماً نظرانداز کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر سائمن ۲۰ دسمبر ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ بیس سال بعد ڈاکٹر بنے۔ جنگ عظیم دوم میں انہوں نے برطانوی افواج میں میڈیکل کور کے کیپٹن کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ دس سال پہلے ۱۶ جولائی کو جب ان کا انتقال ہوا تو وہ کینسنگٹن ہسپتال میں مائکرو بائیولوجی کے پروفیسر تھے مگر وفات ان کی عمر پر ہوئی اور — اچانک — زندگی کے آخری چند سال انہوں نے بکٹیریا پر ریسرچ میں صرف کئے لیکن افسوس کہ موت نے انہیں اس موضوع پر دنیا کے لئے کوئی تحریر چھوڑنے کی مہلت نہ دی۔ اگر وہ زندہ رہتے تو شاید وہ واقعات پیش نہ آتے جو اس صدی کی تاریخ میں پیش آنے والے حادثات میں سب سے زیادہ تباہ کن اور خوفناک تھے مگر ان کا ڈاکٹر سائمن سے کیا تعلق ہے — یہ کسی کو نہیں معلوم —

✿✿✿✿✿

... کے خلائی پروگرام اپالو کے سلسلے کا بیسواں سیارہ جب کامیاب ... کے بعد واپسی کے لئے زمین کے مدار میں داخل ہوا تو اس کے سارے ...

ایک مغربی ناول کی مکمل تلخیص
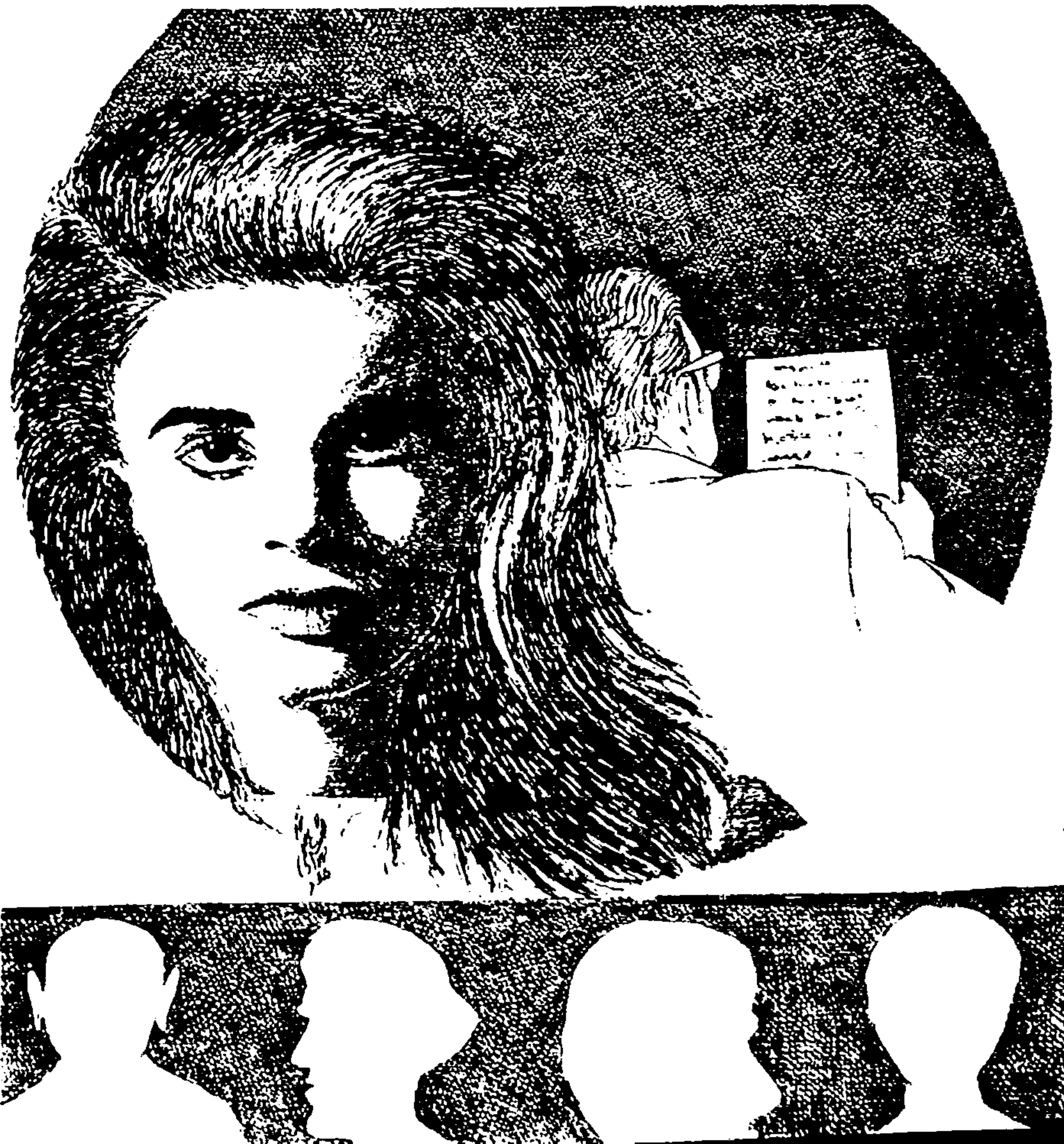
آلات بالکل صحیح کام کر رہے تھے۔ ہوسٹن کے خلائی مرکز اور گوڈرڈ کمپیوٹر سینٹر میں سائنسداں اس کی کارکردگی سے مطمئن تھے اور بحرالکاہل میں بحریہ کے جہاز ڈسکوری کو بیڑا انہیں بحفاظت خشکی پر پہنچانے کے لئے بالکل تیار تھے۔ طے شدہ پروگرام کے عین مطابق۔ کہیں کوئی بات خلاف معمول نہیں تھی اور واپسی مقررہ وقت پر ہونے والی تھی۔ نہ ایک سیکنڈ پہلے، نہ ایک سیکنڈ بعد۔ لیکن کبھی کبھی صدیاں لمحوں کی طرح گذر جاتی ہیں اور لمحے صدیوں کی طرح طویل ہو جاتے ہیں۔ "اپالو بیس" کے خلانوردوں کی زمین پر واپسی سے پہلے آخری لمحہ ابھی تک ختم نہیں ہوا کیونکہ مدار تبدیل کر کے جب انہوں نے بلندی سے زمین کی طرف لانے والے انجن کو چلانا چاہا تو سوئچ نے کام نہیں کیا۔ بٹن دبلتے ہی ایک شعلہ سا لپکا اور ان کے کیبن میں دھواں پھیل گیا۔

❋❋❋❋❋

بحر اوقیانوس پر ایک برطانوی مسافر بردار جہاز محو پرواز تھا۔ نیویارک جانے والے مسافر سوئے پڑے تھے اور جہاز میں ہلکی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ صرف ایک بچہ کھڑکی سے ناک لگائے تاریک آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس نے افق پر ایک روشنی کی ایک لکیر سی دیکھی۔ اس نے اپنی ماں کو ہلایا جو ساتھ والی سیٹ پر آنکھیں بند کئے نیم دراز تھی۔ "ممی ــ ممی ــ وہ کیا ہے۔ ؟ ــ"

اس نے بے قراری سے باہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ لکیر لمبی ہوتی جا رہی تھی۔ ماں نے ایک آنکھ کھول کر کاہلی سے روشن لکیر کو دیکھا۔ اسی لمحے لکیر کے آخری بڑھتے ہوئے سرے پر تین شعلے سے چمکے۔ پھر کچھ غائب ہو گیا۔ "سو جاؤ بیٹے۔" ماں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ "ستارے ٹوٹتے ہیں تو ایسا ہی نظر آتا ہے۔ ــ"

"ممی ــ ستارے کون توڑتا ہے ــ" ــ اس نے چند سیکنڈ جواب کا انتظار کیا اور پھر باہر جھانکنے لگا۔ شاید وہ پھلجھڑی سی پھر چھوٹے۔ آخر ستاروں کو ٹوٹنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یوں تو سارا آسمان خالی ہو جائے گا۔ خیر ــ خدا اور بنا لے گا ــ وہ سو گیا۔

❋❋❋❋❋

پیرس سے لندن تک کی مختصر پرواز ختم ہونے کو تھی۔ دونوں پائلٹ بالکل مطمئن بیٹھے تھے۔ اگرچہ کنٹرول نے دھند کی اطلاع دی تھی اور ونڈ اسکرین پر پھیلتے ہوئے بارش کے قطروں نے ان کے لئے باہر کے منظر کو اور بھی دھندلا کر دیا تھا لیکن پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی لندن اور پیرس کے درمیان وہ ان گنت بار پرواز کر چکے تھے اور ان اڈوں پر کنٹرول کی مدد سے ہر قسم کے موسم میں اتر سکتے تھے۔ شام کے پانچ بجکر دس منٹ پر ہیتھرو ایئرپورٹ نے انہیں کلیرنس دی ــ "ہلو فلائٹ فائیو ون زیرو ــ ٹرن رائٹ ــ بلاک ایٹ ۔۔۔ رن وے نمبر فور ــ الفاچارلی ــ" جہاز کی طرف سے کوئی جوابی پیغام موصول نہیں ہوا کنٹرول انہیں مسلسل پکار رہا ــ "فلائٹ فائیو ون زیرو۔ ہلو ــ ہلو۔ کم آن فلائٹ فائیو ون زیرو۔۔۔۔؟"

❋❋❋❋❋

مسز پیرس لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ سے چند میل دور رہتی تھی اور گذشتہ بیس سال میں جہازوں کے اترنے اور پرواز کرنے کے شور کی عادی ہو چکی تھی۔ چائے کا کپ ختم کر کے وہ دھلے ہوئے کپڑے پھیلانے مکان کے پچھلے حصے کے باغ میں چلی گئی۔ گیلے کپڑے وہ ہمیشہ چھت پر پھیلاتی تھی لیکن دشواری یہ تھی کہ ڈاکٹر نے اسے دو ماہ تک سیڑھیاں چڑھنے سے منع کر دیا تھا اور ابھی صرف تین ہفتے ہوئے تھے اگر وہ ڈاکٹر کی بات ایک کان سے سنکر دوسرے سے اڑا دیتی۔ جیسا کہ خواتین عموماً کرتی ہیں ــ تو وہ دن اس کی زندگی کا آخری دن ہوتا۔ کپڑے پھیلاتے پھیلاتے اس نے جہاز کے انجنوں کی آواز سنی مگر نظر اٹھائے بغیر اپنے کام میں مصروف رہی۔ جب شور حد سے بڑھ گیا تو اس نے اوپر دیکھا ــ حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں اس نے بھاگنا چاہا مگر اس کی ٹانگیں جواب دے گئیں۔ دیو ہیکل جہاز تیزی سے اس کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔ بے ہوش ہو کر گرنے سے پہلے اس نے جہاز کے پہیوں کو کسی باز کے پنجوں کی طرح شکار پر جھپٹنے کے انداز میں اپنی طرف لپکتے دیکھا۔ پھر جہاز کے آہنی پر زن سے گذر گئے۔ گرج کے ساتھ تیز گرم ہوا کا جھونکا آیا اور بس ــ وہ لان پر گر گئی ــ

جہاز کے فولادی پروں نے مکان یوں کاٹ دیئے جیسے چھری ڈبل روٹی کو کاٹتی ہے ــ لکڑی کے شہتیر ماچس کی تیلیوں کی طرح بکھر گئے جہاز کے پہیوں نے تارکول کی سڑک کو ادھیڑ دیا۔ اور اس پر چلنے والی کاروں کو اس کی گہرائی میں دفن کر دیا۔ جہاز کے ایک انجن کے گھومتے ہوئے پنکھوں نے گاڑیوں کو کھلونوں کی طرح اچھال دیا اور ایک فیکٹری کی فولادی چھت کو کاغذ کے پرزوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، دوسرا انجن الگ ہو کر ایک سپر مارکیٹ پر بم کی طرح گرا اور پھٹ گیا۔ خریدار اور دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے ٹن اور شوکیس پل بھر میں ملبے کے نیچے چھپ گئے۔ جہاز کا پچھلا حصہ ایک ہوٹل کے ڈانس فلور سے گذرا اور رقص کرتے ہوئے جوڑے ایک دوسرے کی آغوش میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ جہاز کا اگلا حصہ گھوم کر گنجان آباد مکانوں میں جا گھسا گرد و غبار اور چیخ و پکار کا طوفان تھما تو جہاز کے اڑتالیس مسافروں کے علاوہ زمین پر بسنے والے سینکڑوں انسان جنہیں ایک لمحہ پہلے اپنے زندہ رہنے کا اتنا ہی یقین تھا جتنا اپنے وجود کا ــ شکستہ اعضاء اور خون آلود گوشت کے لوتھڑوں میں تبدیل ہو گئے۔ جب ان کو اکٹھا کیا گیا تو عجیب مضحکہ خیز اعداد و شمار حاصل ہوئے۔ سات سو بارہ سالم سر اور اکیس سو چھبیس بازو اور ٹانگیں۔ حالانکہ دو ہاتھ اور دو پیر۔ خیر کبھی کبھی حساب غلط بھی ہو جاتا ہے۔ اگر تعداد پوری ہوتی تب بھی انسانی مشین کے ان پرزوں کو دوبارہ جوڑنا ناممکن تھا۔ اتنا ہی جتنا جہاز کے سیدن

تک پھیلے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑ کر جہاز کو دوبارہ اڑاتا۔

❋❋❋

شہر بارش میں اینی کریمر رپورٹر۔ برطانوی بحریہ کے ایک چھوٹے سے جہاز پر کھڑی ایٹمی قوت سے چلنے والی آبدوز پر سوار ٹیمی میزائل بازی کی کارروائی دیکھ رہی تھی۔ بحریہ کے مستعد انجینئر سمندر کی گہرائی سے مار کرنے والے ان میزائلوں کو بڑی مہارت اور احتیاط سے اتروا رہے تھے اس کے ارد گرد اور بھی اخباری نمائندے تھے۔ میزائلوں کے گرد پلاسٹک کی جھلی سی لپٹی ہوئی تھی۔ ایک ایک کر کے وہ سب آبدوز میں ان توپ نما دہانوں میں اتر دی گئیں جہاں سے وہ پانی کی سطح کو چیر کر گولی کی طرح نکلتی تھیں اور آبدوز کے اندر بیٹھے ہوئے انجینئرز کے فیصلوں کے مطابق نظر آنے والی نیلی لہروں کے اشاروں پر ملتی ہوئی اپنے نشانے پر جا لگتی تھیں۔ خواہ انہیں سات سمندر پار کسی پہاڑ کے دامن میں پوشیدہ کسی عبادت گاہ کو یا بچوں کے اسکول کو پیوند خاک کرنا پڑے آنکھ کان نہ ہونے کے باوجود وہ دیکھ سکتی تھیں اور سن سکتی تھیں۔ بادلوں سے گذرتی، برف پوش چوٹیوں سے بچتی، سمندروں کو عبور کرتی، وہ ہر لمحہ اپنے شکار کی طرف بڑھتی جاتی تھیں اور ان کا شکار ان سے بھاگ کر کہیں چھپ نہیں سکتا تھا۔ انہیں دھوکہ دینا ناممکن تھا۔

تفریح میس میں بحریہ کے افسران پریس کے نمائندوں کو بڑی خوش اخلاقی سے ان کے سوالوں کے جواب دے رہے تھے لیکن ان کے لہجے میں اعتماد اور ہلکا سا احساس تفاخر شامل تھا۔ اچانک کیبن کے اسپیکر پر ایک آواز گونجی۔ معزز مہمان توجہ فرمائیں۔ پروگرام کے مطابق برطانوی بحریہ انہیں کل صبح تربیتی مرکز میں خوش آمدید کہے گی لیکن ہم بے حد معذرت خواہ ہیں کہ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ میزائل بردار آبدوز ٹائی ٹون کو نہ دیکھ سکیں گے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا۔ ناگزیر وجوہ کی بنا پر اس کی آمد میں تاخیر کا امکان ہے۔ چنانچہ ہم اپنے مہمانوں کو ایک دوسرے جہاز پر لے چلیں گے۔ امید ہے کہ آپ نے آج جو کچھ دیکھا ہے وہ کافی برطانوی شہریوں کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ اس سلسلے میں فوجی رازداری کے قواعد و ضوابط کی پابندی لازمی نہیں ہے — شکریہ — بس یہ نہ بھولئے کہ ڈنر کا وقت ساڑھے سات بجے ہے گو یہ بحریہ کا ڈنر ہے لیکن ہم سمندر سے کوئی چیز پکڑ کر آپ کو نہیں کھلائیں گے —.. — بیشتر صحافی مسکرائے لیکن اینی کریمر کا ذہن ایک الجھن میں گرفتار تھا۔ تاخیر کس لئے — ؟ — وہ ناگزیر وجوہ کیا ہیں سیاسی یا فنی ؟ — صحافت میں تجسس کا جذبہ ہی بڑی بڑی سرخیوں کو جنم دیتا ہے۔

❋❋❋

ڈاکٹر لائنل سلیٹر مواصلاتی نظام کا ماہر تھا۔ الیکٹرونکس شروع سے اس کا پسندیدہ مضمون تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں اس کے اساتذہ نے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ وہ اعداد و شمار سے حاصل ہونے والے نتائج سے زیادہ اپنے تخیل کی پرواز پر بھروسہ کرنے لگتا ہے اور ہوائی قلعے تعمیر کرتا ہے جو کبھی تو حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں اور کبھی محض خواب بن کر تحلیل ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک اخبار میں سائنس کے مستقبل پر کالم بھی لکھتا تھا اور حال ہی میں امریکہ کے دورے سے لوٹا تھا۔ اس دورے میں بھی وہ مشاہدہ کرتے کرتے خواب دیکھنے لگتا تھا۔ اگر یوں ہو جائے تو — ؟ — محض اس سوال پر وہ ایک ایسے منصوبے کے قابل عمل ہونے کے امکانات کا جائزہ لینے لگتا تھا جس پر وقت اور قومی سرمائے کا صرف ایک جوا نظر آتا تھا۔ نیویارک میں ایک معمولی بات نے اس کے ذہن پر بڑا گہرا اثر چھوڑا تھا۔ کینیڈی ایئرپورٹ سے شہر کے وسط تک مین ہٹن کے علاقے میں پہنچنے کے لئے اس نے ہیلی کوپٹر کی ایئر ٹیکسی میں سفر کیا۔ مقصد صرف شہر کا ایک فضائی منظر دیکھنا تھا۔ جب اس نے نیچے نگاہ ڈالی تو سربلند عمارتوں سے بھی نیچے لیٹی سڑکوں اور شاہراہوں کا ایک جال سا بچھا ہوا نظر آیا۔ یوں جیسے انسانی جسم میں شریانیں اور وریدیں — خون کے آنے اور جانے کے راستے — ان پر حرکت کرتی ہوئی کاریں ننھے ننھے نقطے نظر آ رہی تھیں۔ ایک تسلسل کے ساتھ ایک ہی سمت میں رواں — جیسے خون کے سرخ اور سفید ذرات۔ اس وقت نیویارک اسے ایک زندہ جسم کی مانند نظر آیا۔ پل بھر میں اس کا ذہن خیالات سے بھٹک کر امکانات کی وادیوں میں گم ہو گیا۔ اگر ایک دل سارے جسم میں پھیلی ہوئی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش کو آتے جاتے راستوں پر کنٹرول کر سکتا ہے تو کیا اس شہر کا کوئی دل نہیں ہو سکتا جو اسی طرح ٹریفک کے نظام کو تسلسل اور باقاعدگی کے ساتھ کنٹرول کرے۔ اس طرح کہ کہیں رفتار زیادہ نہ ہو، کہیں کوئی رکاوٹ نہ آئے۔ مقصد تو منزل تک پہنچنا ہے اگر تھوڑا سا طویل راستہ اختیار کرنا پڑے اور ٹریفک جام نہ ہو تو کتنی آسانی ہو جائے۔ مگر کیسے ؟ . . کس طرح شہر کے مرکز میں ایک کمپیوٹر تمام سڑکوں پر ٹریفک کے بوجھ کو یکساں اور مساوی طور پر تقسیم کر سکتا ہے۔ اس طرح جیسے ہی کسی ایک سڑک پر ٹریفک بڑھے ان کاروں کی رفتار میں فرق پڑے تو فوراً ان راستوں پر منتقل کر دے جو خالی ہوں۔ اس طرح حادثات کے امکانات بھی کم کئے جا سکتے ہیں۔

شب و روز اسی خیال میں غرق رہنے کے بعد اس نے اپنے منصوبے کو آخری شکل دی اور لندن شہر کے ایک حصے میں آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اسے ٹریفک پولیس کے حکام سے لے کر عوام کے نمائندوں تک ہر شخص کو مطمئن کرنا پڑا۔ انتظامیہ نے فوراً اس منصوبے کی افادیت کو تسلیم کر لیا مگر شہری حقوق کی تنظیم نے اس کی سخت مخالفت کی۔ مشینی نظام انسان کی قوت فیصلہ اور آزادیٔ عمل کو مفلوج کر رہا ہے۔ آدمی اپنی مرضی سے کار نہیں چلا سکتا۔ اپنی پسند کی سڑک پر نہیں جا سکتا کیونکہ کمپیوٹر چاہتا ہے وہ اس کے احکامات کی پابندی کرے۔ کل کو کمپیوٹر یہ بھی فیصلہ کرے گا کہ وہ کیا کھائے کون سے رنگ کی ٹائی باندھے ......

لیکن بالآخر اسکیم کے تجرباتی مرحلے کے اخراجات کی منظوری مل

گئی۔ سڑکوں کے نیچے مقناطیسی فیتے۔ حساس مائکروفون۔ ٹی وی کیمرے اس پیچیدہ نظام کا ایک حصہ تھے جس کا تعلق میلوں لمبے تاروں کے ذریعے ایک کمپیوٹر سے تھا۔ کمپیوٹر کے "برقی دماغ" میں یہ بات بٹھادی گئی تھی کہ ہر سڑک پر کتنی ٹریفک ہونی چاہیئے۔ گاڑیوں کی رفتار کس سڑک پر کتنی ہونی چاہیئے اور اگر اس میں کمی بیشی ہو تو اسے ڈرائیورز کو کیا ہدایات دینی چاہئیں
حیرت انگیز طور پر کمپیوٹر نے ٹریفک پولیس کو مات دے دی۔ سارے علاقے میں ایک بھی ٹریفک جام یا حادثہ نہیں ہوا۔ رگوں میں دوڑنے والے لہو کی طرح ٹریفک سڑکوں پر چلتی رہی — ڈاکٹر سلیٹر مطمئن تھا۔ انتظامیہ مطمئن تھی اور لوگ مطمئن تھے۔ تجربہ کامیاب ہو چکا تھا اور اب اسے پورے شہر تک پھیلانے سے پہلے متعلقہ وزیر اس کی کارکردگی کا بنفس نفیس جائزہ لینے خود یہاں آئے تھے اور اس کے اخراجات کا اندازہ کرنے آئے تھے تاکہ وہ کسی دن ایک بل کی صورت میں پارلیمنٹ سے اس کی منظوری حاصل کرسکیں اور حزب اختلاف کے سوالات کا جواب دے سکیں — سلیٹر کے سامنے اڑتالیس ٹی وی اسکرین روشن تھے۔ جو شہر کے اس حصے کی پوری ٹریفک کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔ کمپیوٹر کا برقی نظام ہدایت دے رہا تھا۔ کاروں کے ریسیورز انہیں ڈرائیوروں تک پہنچا رہے تھے — سب کچھ اسی طرح ہو رہا تھا جیسے سلیٹر نے سوچا تھا اور ہوتا رہا۔

لیکن عین اس وقت جب وزیر موصوف بڑے انہماک اور توجہ سے ٹریفک کنٹرول ہوتے دیکھ رہے تھے اس منظم نظام میں کہیں کوئی نقص پیدا ہو گیا۔ نیچرل ہسٹری میوزیم کے چوراہے پر سگنل سبز ہوا پھر سرخ اور ایک سیکنڈ میں پھر سبز — چوراہے کے وسط میں ایک ٹیکسی نے گزرنے کی کوشش کی۔ رکی۔ پھر چلی — مگر اتنی دیر میں دوسری سمت سے ایک بس نے اسے الٹ دیا۔ سلیٹر نے پریشانی سے دیکھا۔ وزیر کی نگاہ بھی ٹی وی اسکرین پر جیسے جم کر رہ گئی تھی — اتنی دیر میں دوسرے اسکرین پر اسی معمولی سی خرابی نے سگنل بند کر دیئے۔ ٹریفک ہر طرف سے چل پڑی اور پھر جام ہو گئی۔ "خرابی کہاں ہے سلیٹر۔" وزیر نے تشویش سے پوچھا۔ مگر سلیٹر اس کا کیا جواب دیتا۔ یہ کہ میلوں تک پھیلے ہوئے برقی نظام میں کہیں مگر وزیر نے پوچھا تھا کہاں۔؟ — اس کا جواب "کہیں" نہیں تھا — اس دوران تیسرے اسکرین پر نظر آنے والی سڑک کا سگنل چار منٹ سے سبز تھا اور دوسری طرف ٹریفک کی لائن دو میل سے بھی لمبی ہو گئی تھی — انہی چار منٹوں کے دوران دوسری سڑکوں پر سولہ حادثے ہو چکے تھے اور ایمبولینس گاڑیاں جلتی بجھتی روشنیوں کے ساتھ سائرن بجاتی ادھر سے ادھر بھاگ رہی تھیں۔

"بند کرو یہ قتل عام — " وزیر مواصلات نے چلا کر کہا۔ "پولیس کو بلاؤ۔ دس منٹ کے اندر اندر انہیں ڈیوٹی پر ہونا چاہیئے۔" سلیٹر کا ہوائی قلعہ منہدم ہو چکا تھا۔ ڈائریکٹر پروجیکٹ سرنگوں کھڑا تھا۔ چیف کانسٹیبل نے فون پر وزیر کے احکامات سنے تو اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ کیا یہ واقعی وزیر کی آواز ہے۔ اتنی اونچی۔ خیر۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا — وزیر کمزور اعصاب کے لوگ ہوتے ہیں۔

❀❀❀

ڈاکٹر کریمر نے اپنی تجربہ گاہ لندن میں قائم کی تھی اور گیرارڈ کے علاوہ تین اور سائنسداں اس کے ماتحت تھے۔ ماتحت اس لئے کہ ان سب کو یکجا کرنے اور ان کی تخلیقی صلاحیت کو ایک وقت میں کسی ایک مقصد کے حصول کے لئے استعمال کرنے کا خیال سب سے پہلے اسی کو آیا تھا۔ وہ عمارت جس میں وہ تجربات کرتے تھے کریمر کی ملکیت تھی۔ اور اس میں تمام سائنسی آلات سازو سامان اسی نے فراہم کیا تھا۔ گیرارڈ اور کریمر نے ہارورڈ یونیورسٹی میں اکٹھے تعلیم حاصل کی تھی اور کریمر کے انگلینڈ چلے آنے کے بعد گیرارڈ نے ہارورڈ یونیورسٹی میں ایک سال بڑی مشکل سے پورا کیا تھا۔ اساتذہ میں وہ سب سے جونیئر تھا۔ عمر اور تجربہ کے اعتبار سے لیکن ذہانت کے معیار پر وہ سال خوردہ پرانے پروفیسرز سے بہتر تھا۔ جو پڑھے ہوئے نصاب کو سالہا سال سے پڑھاتے پڑھاتے ٹیپ ریکارڈ بن گئے تھے مگر ایک خود ساختہ احساس برتری میں مبتلا ہونے کے باعث نوجوان ذہنوں کی اپج کو کم عقلی سے تعبیر کرتے تھے۔ گیرارڈ جیسے شخص کے لئے اس صورت حال کو قبول کرنا مشکل تھا۔ وہ کینیڈا چلا آیا جو اس کا وطن تھا۔ دو سال پہلے وہ ایک چھوٹے سے کالج کو بھی خیر باد کہنے کے خیال پر غور کر رہا تھا جب کریمر کینیڈا آیا اس کے گھر ٹھہرا اور اس کے ساتھ وہ لندن چلا آیا۔ بہت جلد اسے احساس ہوا کہ یہاں کریمر اس کا وہ دوست نہیں تھا جو ہارورڈ میں تھا جو شیلا اور فلسفیانہ ذہن رکھنے والا اس کی شخصیت بہت دلکش تھی وہ دوسروں

بوڑھا مسخرہ

جب شیر شاہ ہندوستان کا بادشاہ ہوا اس نے ایک جشن برپا کیا۔ شام کے وقت مصاحبوں کو ساتھ لے کر بازار میں نکلا تاکہ جشن کی سرگرمیوں کا مشاہدہ کرے، اور اپنا جلوہ رعایا کو دکھائے۔ اسی وقت دو بوڑھیاں جو شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، حالات کی ماری سوت کاتنے پر مجبور تھیں۔ جس وقت وہ سوت بیچنے نکلتی تھیں تو برقعہ اوڑھ لیا کرتی تھیں۔ وہ بھی بادشاہ کی سواری کا شن کر رک گئیں۔ شیر شاہ گھوڑے کی باگ چھوڑے آہستہ آہستہ چلا آرہا تھا۔ اُسے دیکھ کر ایک بڑھیا دوسری سے بولی "تم نے دیکھا ہوا کہ دلہن کو دولہا تو ملا مگر بوڑھا ملا۔" شیر شاہ کے کانوں میں وہ الفاظ پڑے تو اس نے جھٹ اپنا سینہ پھلا لیا اور باگ کھینچ کر گھوڑے کو گدگدایا۔ اُس پر گھوڑا اُچھلنے کودنے لگا۔ اس پر دوسری بڑھیا بولی "اے بوا وہ تو بوڑھا بھی ہے اور مسخرہ بھی۔"

تبسم یاسمین، سال اوّل۔ ڈسکہ

کو متاثر کرنا اور انہیں اعتماد میں لینا جانتا تھا۔ اس کا دماغ ایک موجد کا دماغ تھا۔ نئے نئے خیالات خواہ وہ قابل عمل ہوں یا مضحکہ خیز اسے جو بیس گھنٹے کچھ نہ کچھ کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ اس کی نیلی آنکھیں گفتگو کے دوران بھی سراپا تبسم نظر آتی تھیں ان میں ایک مقناطیسی سحر تھا جو غیر مرئی لہروں کی طرح اثر کرتا تھا۔ الفاظ اس کی زبان سے یوں نکلتے تھے جیسے ٹکسال سے سکے بن کر نکلتے ہیں نپے تلے، ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے دوسروں پر چھا جانے اور ان پر غالب آجانے کی خواہش رکھنے والا اور شہرت اور ناموری کے جذبے کا اسیر کریمر اب دولت کو اپنا اولین اور آخری مقصد بنا چکا تھا۔ گیرلڈ کو اس کی شخصیت کے اس بدلے ہوئے روپ نے بہت مایوس کیا۔ رفاقت کا وہ احساس جو ہارورڈ میں تھا اب مفقود ہو چکا تھا اور کریمر نے کسی اعلیٰ و ارفع مقصد کی بجائے اپنے علم اور اپنی صلاحیت کو پیسہ کمانے پر لگا دیا تھا۔ وہ ہر تجربے کی افادیت کو نفع نقصان کے پیمانے سے تولنے لگا تھا۔

گیرلڈ کو زندگی نے ہر قدم پر دھوکا دیا تھا۔ پہلے وہ ہارورڈ یونیورسٹی کے انتظامی نظام کو قبول نہ کر سکا اور درس و تدریس کے مقدس پیشے سے وابستہ تصورات باطل ہو گئے پھر اس نے جس لڑکی سے شادی کی وہ گیرلڈ کی جھیل کی سطح کی طرح پرسکون طبیعت کے مقابلے میں پہاڑوں کے پتھروں سے ٹکراتی شوریدہ سر ندی ثابت ہوئی اسی تضاد نے ابتدا میں گیرلڈ کو اسکی طرف متوجہ کیا تھا اور شاید یہی تضاد پہلے ان کے درمیان کشیدگی اور بالآخر طلاق کا سبب بنا۔ اور پھر کریمر کے نئے روپ نے اچانک اس سے ایک دوست کو چھین لیا جس کے ساتھ محض ذہنی ہم آہنگی کی کشش اُسے اپنے وطن کینیڈا سے کھینچ لائی تھی۔ اب وہ اس نیم تاریک سرد عمارت میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ کینیڈا میں وہ اتنا تنہا نہیں تھا۔

کریمر نے اپنے گرد جو لوگ جمع کئے تھے وہ الگ الگ خصوصیات کے مالک تھے لیکن کریمر نے انہیں بٹالین کمانڈر کی طرح قدم ملا کر ایک ہی سمت میں چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسکاٹ لینڈ کا "بیوشان" انگریز نژاد "رائٹ" کے سامنے جس صبر و ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے نظریات پیش کرتا تھا اس سے زیادہ تنگ نظری اور حسد کے ساتھ رائٹ ان کی صداقت کو آزمائے بغیر یک جنبش لب مسترد کر دیتا تھا۔ دونوں مستقل مزاج تھے۔ نہ وہ اپنی خو بدلتا تھا نہ یہ اپنی وضع۔ تیسرا اسلیکن تھا جو سائنسدان سے زیادہ انجینئر اور انجینئر سے زیادہ سیلزمین تھا۔ مہذب چرب زبان جو بیوشان اور رائٹ کی نظریاتی جنگ کے اسباب کو ہوا دے کر اپنا کام چلاتا تھا وہ سیاستدان بھی بن سکتا تھا مگر کریمر کے یہودی ذہن کو دیکھتے ہوئے وہ سیلزمین بن گیا۔ سائنسدان ہونے کے باوجود اس کے خیالات و نظریات حالات کے مطابق بدل جاتے تھے۔

گیرلڈ نے ایک نظر بلیک بورڈ کی طرف دیکھا جہاں سائنسی اصطلاحات اور ریاضی کے اعداد و شمار خلط ملط ہوئے پڑے تھے اور اس کے تینوں ساتھی اپنے اپنے ڈیسک پر پورے انہماک کے ساتھ سائنس کو تجارت بنانے میں مصروف تھے۔ اگر اس ٹیم کو بلیک بورڈ پر لکھا جاتا تو یوں ہوتا۔

بیوشان + رائٹ = صفر

بیوشان × رائٹ = سکیلن

ان سب کا مجموعہ = کریمر

وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ کریمر نے گیرلڈ کو ہنستے دیکھا۔ ہال میں قدم رکھتے ہی اس کی نگاہ الگ کھڑے ہوئے گیرلڈ پر پڑی۔ "میرا خیال ہے تم کسی نتیجے پر پہنچ گئے ہو —" اس کے نزدیک ہنسی کا کوئی اور سبب نہیں ہو سکتا تھا۔ گیرلڈ مسکرایا۔ "ہاں — اس نتیجے پر کہ کسی نتیجے پر پہنچنا مشکل ہے۔" کریمر نے گیرلڈ کی بات کو ناگواری سے برداشت کیا۔

"حضرات — میرے یہاں آنے کا ایک مقصد ہے۔ ایک مسئلہ جلدی فوری توجہ کا محتاج ہے۔" وہ سب تھکے ہوئے تھے مگر کریمر کے نزدیک تھکن عمر کے اس دور کی کیفیت کا نام تھا جب عناصر میں اعتدال نہ رہے اور قوے مضمحل ہو جائیں۔ چنانچہ کریمر نے اپنی بات جاری رکھی — "ہیرٹ اسٹور تو آپ سب نے دیکھا ہے۔ کھلونوں کی دکان ہے وہاں پلاسٹک کے چند کھلونے خراب ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے حرارت سے پگھل گئے ہوں یا کسی نے الیکٹرون ڈال دیا ہو — گیرلڈ — اگر تم خراب شدہ پلاسٹک کا کوئی ٹکڑا لے آؤ تو ہم تجزیہ کر کے اصل سبب معلوم کر لیں گے — اسٹور کا مالک پریشان ہے کیونکہ کرسمس قریب ہے اور اگر اس کے کھلونے اسی طرح خراب ہونے لگے تو —" بات ختم ہونے سے پہلے گیرلڈ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ویسے بھی سخت بیزار تھا اور باہر نکلنا چاہتا تھا۔ کریمر مسکرایا — "اگر تم گھر جاتے ہوئے میری بیوی کو ساتھ لے جاؤ تو میرا وقت بچ جائے گا —" اس نے گیرلڈ سے کہا — "وہ تمہیں وہیں ملے گی — ہیرٹ اسٹور میں —"

گیرلڈ نے سر ہلایا اور باہر نکل گیا۔

ایمی کریمر سے گیرلڈ کی ملاقات دو بار ہوئی تھی۔ پہلی بار لندن پہنچتے ہی کریمر کے گھر پر اور دوسری بار تجربہ گاہ میں جب وہ اپنے شوہر سے کچھ کہنے آئی تھی۔ سرسری سی ملاقات لیکن گیرلڈ کے لئے اس کی ایک ہی نگاہ کافی ثابت ہوئی۔ وہ اک نگاہ جو بظاہر نگاہ سے کم تھی۔ ایک عورت کی نگاہ — حسین عورت کی نگاہ — حسین عورت کی جو اپنی قوت تسخیر کے احساس سے سرشار ہوتی ہے۔ اور تسخیر کر لیتی ہے —

خواہ وہ پتھر کا مجسمہ ہو اسکے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ گیرلڈ تو جیتا جاگتا گوشت پوست کا زندہ انسان تھا۔ ناآسودہ اور پیاسا — تپتے ہوئے صحرا کی طرح بارش کے ایک ٹھنڈے قطرے کے انتظار میں۔

کرسمس ابھی دور تھا مگر اسٹور میں خریداروں کا ہجوم تھا اور یہ خریدار خریدی جانے والے کھلونوں سے زیادہ شور مچا رہے تھے — تجربہ گاہ کے سکوت کے بعد یہ آوازیں گیرلڈ کے کانوں کو بڑی بھلی لگیں — ننھے منے بچے — روتے — ضد کرتے — مچلتے — انہیں بہلاتی — مناتی — گھسیٹتی مائیں — بچے اور کھلونے دونوں ڈھول اور بگل بجاتے — عجیب عجیب آوازیں نکالتے — دوڑتے بھاگتے — خریداری سے مطمئن اور

مجھے اپنے بالوں پہ ناز
کالا کولا ہیئر ٹانک
یقینی طور پر خشکی
سکری دور کرکے
دماغ کو ٹھنڈک اور
سکون پہنچاتا ہے۔
DARKENS
GREY
HAIR
NEW POLYPACK
KALAKOLA
THE MIRACULOUS HAIR TONIC
Sound&Vision

یو مطمئن مسکراتے ہوئے، فخر سے رنگین ڈبے اٹھائے باہر نکلنے والے ایک دوسرے کو رشک اور حسرت سے دیکھتے۔ گیرالڈ بڑی دلچسپی اور محویت سے دیکھتا رہا کیونکہ ان میں اس کا اپنا بچہ کوئی نہ تھا۔ اس نے ایک سرد آہ بھری۔

"کیا دیکھ رہے ہو۔ کھلونے یا بچے ۔۔۔" اس نے اینی کی آواز سنی ۔ اور ہنسی ۔۔ جلترنگ، گھنٹیاں اور گھنگھرو ۔ گیرالڈ پلٹ کر مسکرایا۔

"دونوں ۔ مجھے تو دونوں ایک جیسے لگتے ہیں ۔۔" پھر اس نے ایک نوجوان کو دیکھا جس کا شگفتہ چہرہ، بے قرار آنکھیں اور شوخ لباس نمایاں تھے ۔۔

"یہ مسٹر ایپی نال ہیں۔ فلپ ایپی نال ۔۔ اور یہ مسٹر گیرالڈ۔" دونوں نے ہاتھ ملائے۔ چار مہینے پہلے جب "بیرٹ اسٹور" والوں نے کھلونوں کی سالانہ نمائش میں مشینی خلانورد رکھے تھے جو ایک پیچیدہ نظام کے ذریعہ مصنوعی خلائی جہاز سے اترتے تھے اور خلانوردوں کی طرح آہستہ آہستہ چلتے چھ گز دور سے چاندی کے رنگ کی سفید مٹی اٹھاتے تھے اور واپس جہاز میں لوٹ جاتے تھے۔ شاید اس پبلسٹی پر ان کے ہزاروں ڈالر صرف ہوئے ہونگے مگر بیرٹ اسٹور کے اس عجوبے نے لاکھوں تماشائیوں کو متوجہ کیا اور ان کے اسٹور میں یہ ہجوم اسی شہرت کا نتیجہ تھا۔ مشینی خلانورد میں اس نمائش کے بعد کچھ خرابی پیدا ہو گئی اور فلپ کی کمپنی نے اسے خرید کر مرمت کیا، کچھ پرزے بدلے ۔۔ اس میں کچھ تبدیلیاں کیں اور اینی کریمر نے اخبار کے ایک کالم میں اس پر تبصرہ بھی کیا مگر کرسمس کے موقعہ پر جب اسے دوبارہ دکان میں نصب کیا گیا تو پھر کچھ گڑبڑ ہو گئی ۔۔ اس کے پلاسٹک کے کچھ حصے ناکارہ ہو گئے ۔ یوں جیسے وہ گل سڑ گئے ہوں ۔ اگر ان کی جگہ اسٹیل کے پرزے لگائے جاتے تو نہ صرف یہ کہ اس کا وزن بڑھ جاتا بلکہ خصوصی آرڈر پر بنوائے جانے والے پرزے لگا کر لاگت بھی بے تحاشہ بڑھ جاتی۔ مشینی خلانورد کا برقی دماغ خراب ہو گیا تھا ۔ مگر اسے پاگل مانا نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ خصوصی پلاسٹک کریمر کی تجربہ گاہ میں بنا تھا اور فلپ کے پاس فاضل پرزوں کا صرف ایک سیٹ رہ گیا تھا۔

گیرالڈ کے سامنے فلپ نے یہ آخری سیٹ جوڑا اور خلانورد کی بیٹری کے کنکشن ملا کر اس کے سوئچ آن کر دیئے ۔ وہ دو مرتبہ بڑی مہارت سے عین خلانوردوں کے انداز میں اترا اور چڑھا۔ گیرالڈ نے اس کی صناعی کو سراہا۔ انسانی جسامت کا یہ فولادی انسان واقعی دلچسپ تخلیق تھا مگر تیسری بار جب گیرالڈ نے اسے چلانا چاہا تو وہ اتر کر سفید مٹی اٹھانے کی بجائے اینی کریمر کی طرف بڑھا اور اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ اس کا ایک فولادی ہاتھ اینی کے شانے پر پڑا اور وہ چیخ مار کر ایک طرف ہو گئی۔ خلانورد کا دماغ پھر خراب ہو گیا تھا ۔ وہ سیدھا چلتا گیا مگر اس کے راستے میں اٹھانے کی کوئی اور چیز نہ تھی ۔ وہ شوکیس کے شیشوں کو توڑ کر خریداروں کے ہجوم میں جا گھسا ۔ فلپ اس کے پیچھے بھاگا مگر اتنی دیر میں خریداروں کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ مائیں اپنے اپنے بچوں کو سنبھالتی بھاگ رہی تھیں۔ انہیں چلا چلا کر پکار رہی تھیں۔ جب فلپ نے اس کے سوئچ آف کئے تو اسٹور خالی ہو چکا تھا۔ بھاگنے والوں کے جوتے اور ہیٹ بکھرے پڑے تھے۔ خلانورد لڑکھڑایا اور اس کا فولادی ڈھانچہ ایک دھماکے سے سیمنٹ کے فرش پر گر گیا۔ ایک منٹ تیس سیکنڈ میں سب کچھ ہو گیا ۔۔

گیرالڈ نے خوفزدہ اینی کریمر کو ایک کونے میں دیکھا ۔ وہ اپنا شانہ دبائے کھڑی تھی ۔ "تم ٹھیک ہو نا ؟ ۔۔" اس نے اینی سے پوچھا "چلو میں تمہیں گھر چھوڑ دوں ۔"

"میں ٹھیک ہوں ۔۔" اس نے بازو کو اوپر نیچے کرتے ہوئے کہا ۔ مگر تکلیف کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔

"کام ؟ ۔۔ کام ہو جائے گا ۔۔" اس نے اینی کا بازو تھام لیا "چلو" اینی نے مسکرا کر اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر چل پڑی۔ "میں کچھ تھکی ہوئی ہوں ۔۔ کچھ پینا چاہتی ہوں ۔۔" گیرالڈ نے گاڑی ایک بار کے سامنے روک دی۔ وہ آمنے سامنے اسٹول پر بیٹھ گئے "وہ خلانورد ذرا حسن پرست تھا مگر تم ابھی تک بدحواس ہو ۔۔ ایک سائنسدان کی بیوی کو ایک کھلونے سے اتنا نہیں ڈرنا چاہئے ۔۔" گیرالڈ نے کہا۔

"کیوں ۔ ؟ ۔ سائنسدان کی بیوی عورت نہیں ہوتی ۔ ؟ ۔" اس نے گیرالڈ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"معلوم نہیں ۔" گیرالڈ نے کہا ۔ "میں تو ڈاکٹر ہوں ۔۔" اس سوال نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب ۔۔" وہ آہستہ سے بولی ۔ "سائنسدان کی بیوی مشین نہیں ہوتی ۔ !"

"تمہارا فلیٹ کہاں ہے ۔ ؟ ۔" اس نے موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"جہاں میں رہتی ہوں ۔ جہاں تم ایک بار آ بھی چکے ہو ۔" وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں ۔۔۔ ! ۔ میں غالباً بھول گیا ہوں ۔۔" وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا ۔ وہ مسکرائی ۔ معنی خیز انداز میں ۔ یوں جیسے وہ اس جھوٹ سے خوش ہوئی ہے ۔ یوں جیسے وہ کہنا چاہتی ہو ۔ مجھے معلوم ہے تم بھولے نہیں ہو ۔ بس تمہاری آنکھیں جھوٹ بول رہی ہیں ۔ ایک دوسرے سے کوئی بات کئے بغیر مختلف پر پیچ راستوں سے گزرتے وہ کریمر کے فلیٹ پر پہنچے ۔ گیرالڈ نے جب اینی کریمر کے شانے پر ایک سرخ رنگ کی گہری خراش دیکھی تو یوں محسوس ہوا جیسے سنگ مرمر میں بال پڑ گیا ہو وہ اسے غور سے دیکھتا رہا مگر جب اینی نے محسوس کیا کہ وہ زخم کو نہیں دیکھ رہا ہے تو اس نے جھینپ کر کوٹ اپنے شانے پر ڈال لیا ۔

"پھر ملو گے ۔ ؟ ۔"

"میرا خیال ہے مجھے اب چلنا چاہئے ۔۔ اسٹور میں لوگ میرا انتظار کر رہے ہونگے ۔" گیرالڈ نے خفت سے کہا۔ "واہیات عورت ۔۔" اس نے راستے میں سوچا۔ "یہ عورت ہے کہ ایکس رے مشین ۔ اندر تک دیکھ لیتی ہے ۔"

تب وہ واپس اسٹور پہنچا تو دکان بند ہو رہی تھی مگر فلپ مشینی
خلانورد کے پرزوں کو الگ کر رہا تھا۔ میرا خیال ہے پلاسٹک کے
پرزے کام نہیں کریں گے۔ ان کی جگہ اسٹیل استعمال کرنا پڑے گا۔
فلپ نے کہا۔ پلاسٹک کے کنارے نرم پڑ گئے تھے اور جگہ جگہ سے
کٹے پھٹے نظر آ رہے تھے۔ یہ کوئی عام پلاسٹک نہیں تھا۔ اس کا کیمیائی
نام ایمینو اسٹرین تھا اور اسے کریمر کی ٹیم نے بڑی محنت سے تیار کیا
تھا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ سخت ہونے کے باوجود ٹوٹ کر
خراب نہیں ہوتا تھا، ٹوٹتا نہیں تھا اور آگ نہیں پکڑتا تھا۔ اسی قسم کے
پلاسٹک کو استعمال کر کے انہوں نے ایک نیا کیمیائی مرکب بھی تیار کیا تھا
جس کا ایک منعبث کا ٹکڑا روشنی اور آکسیجن میں کیمیائی تبدیلی کے
عمل سے جلکی بھربھری میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ اس کا استعمال تجارتی
پیمانے پر زیڈگرون کے نام سے شروع ہو چکا تھا۔ ایمینو اسٹرین ایٹ
کی ایجاد تھی اور اسے اس پر فخر تھا۔ کھلونوں سے لے کر برتنوں
اور بہت سی مشینوں میں ایمینو اسٹرین پلاسٹک کا استعمال ہو رہا تھا
بجلی کے تاروں پر اس پلاسٹک کی تہہ عام پلاسٹک سے زیادہ
پائیدار اور سستی ثابت ہوئی تھی اور بجلی کی صنعت میں اس کی کارکردگی
دوسری قسم کے پلاسٹک سے بہتر تھی۔ چنانچہ مواصلاتی نظام میں
ریڈیو ریسیور، ٹرانسمیٹر اور ایسے ہی بہت سے آلات کے تاروں پر
یہی پلاسٹک مقبول ہو رہا تھا۔

گیرارڈ نے خراب شدہ پلاسٹک کے حصوں کو بڑی احتیاط سے
سمیٹ کر پولی تھین کے بیگ میں بند کیا اور بریف کیس میں ڈال لیا۔
”شاید تجربہ گاہ میں ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔“ اس نے فلپ سے ہاتھ
ملاتے ہوئے کہا۔

”اینی ..... میرا مطلب ہے مسز کریمر سے معذرت کر لیجئے گا
میری طرف سے۔“ فلپ نے کہا۔

”آپ ... ! آپ انہیں جانتے ہیں؟“ گیرارڈ نے کہا۔
”قریب سے ... وہ کبھی میری منگیتر رہ چکی تھی۔“
”نہیں ... بس وہ اچھی لگتی ہیں۔“ فلپ نے کہا۔ ”مگر
گیرارڈ کا شک دور نہ ہوا۔ مارک نے تیرہ سال ... چھوڑا زمانے ہیں۔
یہ بھی ان میں ہو تو کیا تعجب۔“

سلیٹر نے یہ لمبی رات بڑے کرب میں گزاری تھی اور صبح احساس کی حیثیت شکنی تھی۔ اس خواب دیکھنے کی عادت نے بالآخر اس کی زندگی تباہ کردی اور اسے مجرموں کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا۔ ایک ایسے جنونی فنکار کی طرح جس نے محض اپنی خوشی کے لئے لاکھوں پونڈ کے قومی سرمائے سے ایک کھلونا بنایا اور اس کھلونے سے بیس آدمیوں کی جان لے لی۔ تحقیقات کے لئے اعلیٰ سرکاری حکام اور ممتاز سائنسدانوں پر مشتمل جیوری کا اجلاس دو گھنٹے بعد شروع ہونے والا تھا اس نے اب تک اس حادثے پر ہر پہلو سے غور کیا تھا مگر فنی اعتبار سے نظام مکمل تھا۔ اس میں خرابی کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے اور اس کے ذہن نے ابھی تک اس حقیقت کو قبول نہیں کیا تھا کہ اس کا منصوبہ ناقابل عمل تھا۔ بات محض ایک نقص کی تھی مگر کھیلنے والوں سے زیادہ بھاگنے والوں کے لئے دشواری تھی کہ نقص کے اسباب کی نشاندہی کر سکیں اور اس بات کی ضمانت دے سکیں کہ پھر ایسا نہیں ہوگا۔ سوچتے سوچتے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا۔ لوگ یہ تو دیکھتے تھے کہ بظاہر صحت مند انسان حرکت قلب بند ہونے سے مر جاتا ہے مگر کسی نظام کی خرابی کو قبول نہیں کرتے تھے۔

کمیٹی میں ایک ڈاکٹر ایتھرٹن تھا۔ سائنسدان اور وزارت دفاع کا سائنسی مشیر مگر سلیٹر کے مخالفین میں سے ایک۔ دوسرا پروفیسر اسٹار تھا جس سے وہ صرف ایک بار ملا تھا۔ اس واحد ملاقات کا تاثر یہ تھا کہ وہ ذہین اور خوش اخلاق مگر ٹھنڈے دماغ کا غیر جذباتی انسان ہے۔ شاید وہ ایتھرٹن کے مقابلے میں اس کی بات زیادہ توجہ سے سنے۔ تیسرا ہالینڈ تھا۔ پروجیکٹ ڈائریکٹر۔ سلیٹر کو اگر امید کی کرن نظر آتی تھی تو محض اس لئے کہ ہالینڈ نے اس سارے منصوبے میں شروع سے آخر تک دلچسپی لی تھی اور اسے سمجھا تھا۔ چوتھا ہشن تھا جو کمپیوٹروں کی نمائندگی کر رہا تھا اور قدرتی طور پر اسے یہ ثابت کرنا تھا کہ کمپیوٹر میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ خواب آور گولیوں نے رات کو اسے نیم غنودگی کی کیفیت میں مبتلا رکھا اور اب اس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ کھڑکی کے شیشوں پر باہر کی طرف شبنم کے قطرے جم گئے تھے اور دسمبر کی صبح کی سردی عروج پر تھی اس نے خود کو تنہا اور بے سہارا محسوس کیا۔ تحقیقات کرنے والوں کو کیا پڑی ہے کہ اس کی سنیں۔ وہ سب اپنی اپنی پوزیشن کا دفاع کریں گے سلیٹر — ٹھیک ہے کہ تم ملک کے نامور سائنسداں ہو۔ ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں مگر یہ بھی تو سوچو کہ یہ غلطی ہمیں کتنی مہنگی پڑی۔ غلطی تمہارے ذہن کی تھی نظام کی یہی مگر نظام کا موجد کون تھا۔ معاف کرنا۔ ذمہ دار صرف تم ہو۔ سلیٹر کو معلوم تھا کہ نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا اور اسے اگر جیل نہ بھیجا گیا تب بھی سائنسی تحقیق کی سہولتوں اور تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا جائے گا۔ فراموش کر دیا جائے گا۔ بے عزتی۔ گمنامی اور اس کا مذاق جھیلنے کے لئے۔

ناشتے میں اس نے سیاہ کافی کے دو مگ چڑھائے۔ اس سے غنودگی کی کیفیت ختم ہو گئی اور وہ نئے اعتماد کے ساتھ اپنا دفاع کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ وائٹ ہال کے اندر پہنچ کر اس نے اپنے ہیٹ اور کوٹ سے برف جھاڑی۔ اندر کی فضا نسبتاً گرم تھی۔ "سلیٹر" — اس نے ہالینڈ کی آواز سنی — "کیا بات ہے تم بیمار نظر آتے ہو۔ کمال ہے۔ ابھی سے تم اتنے خوفزدہ ہو — میرے خیال میں ڈرنے کی کوئی بات نہیں —" سلیٹر نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے معلوم ہے میری تقدیر کے فیصلے پر تصدیق کی مہر لگ چکی ہے —"

"سلیٹر میں کسی کی ذاتی رائے سے نہیں حقائق اور اعداد و شمار سے متاثر ہوتا ہوں —"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ بھی میرے خلاف ہوں گے۔"

"تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں؟ — تمہارا خیال ہے میں جذبات کی رو میں بہنے والا شخص ہوں۔ جسے رائے عامہ کی یا اپنی ذات کے لئے شہرت کی زیادہ پرواہ ہے —" ہالینڈ نے کہا — سلیٹر خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیا۔ "ایتھرٹن مجھے تباہ کرنے کے لئے اس موقع کا منتظر ہوگا۔" سلیٹر نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا — "مجھے تم سے اس کی مخاصمت کا علم ہے — چیئرمین کی حیثیت سے نہیں مگر میری ذاتی رائے یہ ہے کہ وہ احمق ہے" ہالینڈ نے کہا۔

کارروائی مقررہ وقت پر شروع ہوئی۔ اس سے قبل وہ اپنی اپنی رائے تحریری طور پر مرتب کر کے کمیٹی کے چیئرمین کو ارسال کر چکے تھے اور ایک دوسرے کی رائے کا مطالعہ کر چکے تھے۔

"خلاصہ آپ سب کی رائے کا یہ ہے کہ ڈاکٹر سلیٹر خرابی کا ذمہ دار کمپیوٹر کو سمجھتے ہیں —" ہالینڈ نے کہا۔ "مسٹر ہشن کا نظریہ یہ ہے کہ اس پورے نظام میں خرابی یا ناکامی کے لئے حفاظتی انتظامات ناکافی تھے۔ مسٹر ایتھرٹن غالباً آپ بھی اسی نظریہ کے حامی ہیں —"

"ناکافی —؟ — یہ منصوبہ ابتدا ہی سے ناقابل عمل تھا اور اس بات کو قطعی نظر انداز کر دیا گیا تھا کہ ڈیزائن کی خامیوں کے نمودار ہونے کی صورت میں متبادل صورت کیا ہوگی۔" ایتھرٹن نے کہا۔

"میں یہی عرض کر رہا ہوں — ڈاکٹر اسٹار کی رائے میں بین ہے یعنی ان کے نزدیک ڈیزائن کے چند نقائص کو کمپیوٹر کا خودکار نظام دور کرنے میں ناکام رہا —" ہالینڈ نے کہا۔

"میں نے ڈاکٹر سلیٹر کے ڈیزائن کو بھی دیکھا ہے۔ کنٹرول سسٹم کو بھی اور خودکار کمپیوٹر کو بھی جو اس سارے نظام میں ہر خرابی دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن کمپیوٹر کی یہ صلاحیت ضرورت کے وقت کام نہ آئی —"

"اور بیس افراد مارے گئے۔ لاکھوں روپے کی مالیت کی گاڑیاں تباہ ہوئیں اور خوف و ہراس پھیلا —" ایتھرٹن نے کہا — "کسی نے یہ بھی سوچا تھا کہ کنٹرول کے کسی نقص کو کمپیوٹر دور نہ کر سکا تو کیا ہوگا —؟"

"یہ ٹھیک ہے — اول تو ہمیں یقین تھا کہ خرابی ہوگی نہیں۔
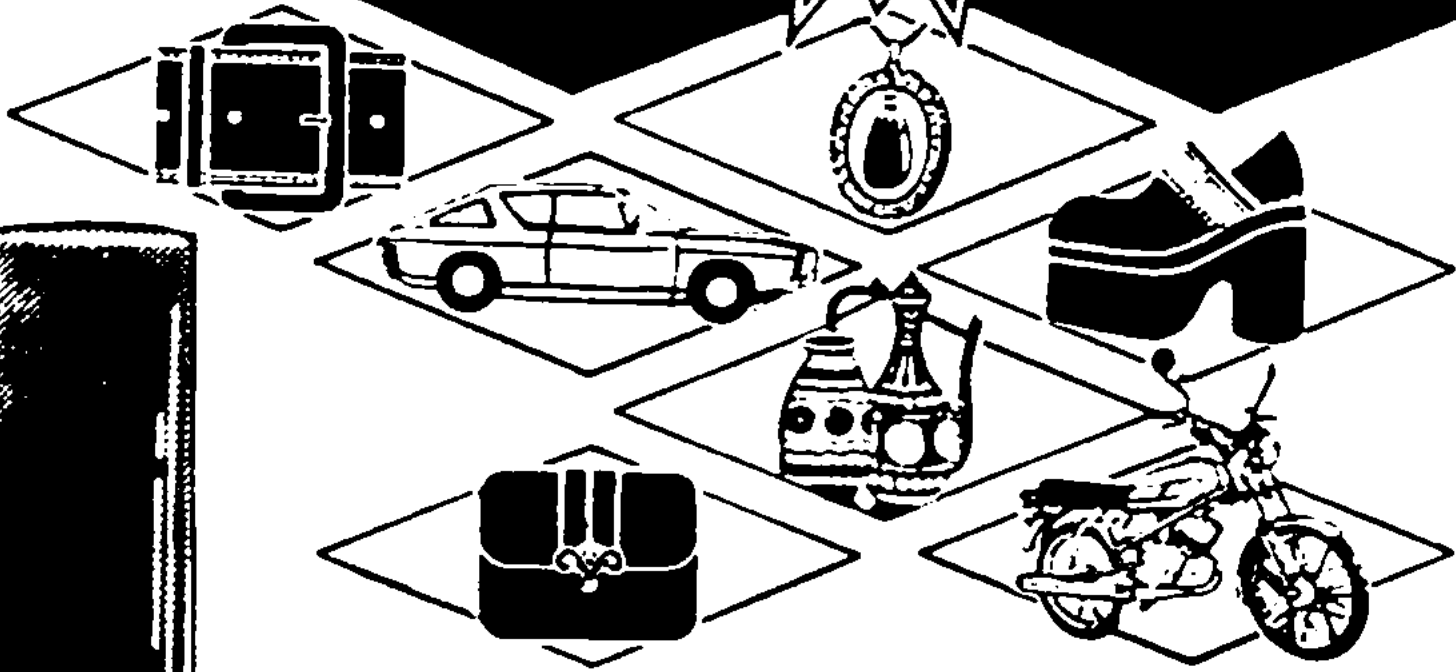
ہوں تو ہم سے پہلے کمپیوٹر کا خود کار نظام درست کرے گا — یہ ہم نے نہیں سوچا تھا کہ کمپیوٹر کا خود کار نظام جو اس خرابی کو دور کر سکتا ہے وہ بھی خراب ہو گیا تو کیا ہو گا۔ ہمیں یقین دلایا گیا تھا کہ کمپیوٹر آزمائش کے ہزاروں مرحلوں سے گزر چکا ہے اور اس کا خراب ہونا ناممکن ہے،، سلیٹر نے کہا — اور ہم نے یقین کر لیا — ،، سلیٹر نے کہا۔
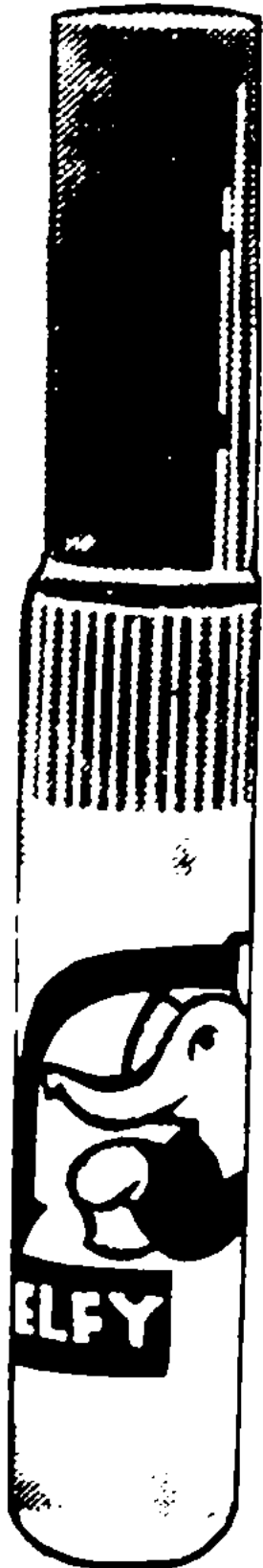
،، مسٹر ہنشن — ،، ہالینڈ نے سوالیہ نگاہوں سے کمپیوٹر انجینئر کو دیکھا

،، مسٹر سلیٹر نے صحیح کہا — ہم نے یہ یقین دہانی کرائی تھی — لیکن اب ہماری ورکشاپ میں انجینئرز نے ایک چھوٹے سے نقص کا پتہ چلایا ہے جس کے بارے میں سلیٹر نے کہا تھا کہ اس قسم کی خرابی سے زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔

،، ہاں ،، سلیٹر نے گرم ہوتے ہوئے کہا ،، کیونکہ تم نے کہا تھا کہ ہمارے انجینئر چند سیکنڈ میں کمپیوٹر کے ہر نقص کو دور کر سکتے ہیں — کہا تھا یا نہیں — ؟ — مگر وزیر کے سامنے تم احمقوں کی طرح کھڑے رہے — ،،

ہنشن خاموش رہا — ،، بات یہ ہے مسٹر ہنشن — ہر مشین میں چند خرابیاں متوقع ہوتی ہیں اور چند بعید از قیاس — اسی طرح جیسے اس کمرے کا دروازہ اس کے قبضے خراب ہو سکتے ہیں — تالا خراب ہو سکتا ہے یا پالش خراب ہو سکتی ہے — لیکن آپ یہ توقع کبھی نہیں رکھیے کہ اگر آپ نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو دروازہ بسکٹ کی طرح درمیان سے دو ٹکڑے ہو جائے گا — یہ ناممکن ہے — کمپیوٹر میں لاکھوں نقص ممکن ہیں اور ہم اپنے تجربے سے جان لیتے ہیں کہ کس سیکشن میں گڑبڑ ہے — لیکن جس خرابی کا ہمیں پتا چلا ہے وہ ایک معمہ ہے — اس کے اندر چند تاروں پر سے پلاسٹک کی تہہ غائب ہو گئی ہے اور دو تار آپس میں لگ گئے ہیں — اور یہ تہہ اتارے بغیر نہیں اتر سکتی — ،،

❀ ❀ ❀ ❀

شام کو ہالینڈ تھکا ہارا بار میں بیٹھا تھا۔ دن بھر کی بحث کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہو گئی تھی۔ کمیٹی کے تمام ارکان اپنے اپنے شعبے میں اپنی بات کو حرف آخر تسلیم کرانا چاہتے تھے مگر نتیجہ صفر تھا۔ وہ اسٹول پر پیر لٹکائے بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ مارٹر آ بیٹھا جو ہوائی حادثے کے اسباب کی تحقیقات پر مامور تھا — ،، ہلو مسٹر ہالینڈ — آپ پریشان ہیں — کیا ہوا تحقیق کا — ؟ —

،، ہلو مارٹر — ہونا کیا تھا — ماہرین نے میرا دماغ خراب کر دیا — مجھے تو کمپیوٹر کی خرابی نظر آتی ہے — اس میں چند تاروں پر سے ایمینو اسٹرین پلاسٹک کی تہہ اتر گئی تھی — کمپیوٹر والے اسے تخریبی کارروائی قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تار کا کنکشن ٹوٹ سکتا ہے مگر جب تک چھیل کر نہ اتارا جائے اس کا پلاسٹک نہیں اتر سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی نے کمپنی کو نقصان پہنچانے کے لئے یہ حرکت کی ہے — ،، ہالینڈ نے کہا۔

مارٹر نے اپنا گلاس میز پر رکھ دیا — ،، ہالینڈ — کیسا عجیب اتفاق ہے۔ میں جس فضائی حادثے کی تفتیش کر رہا ہوں اس میں بھی حادثہ کا سبب کچھ اسی قسم کا ہے — یعنی تاروں سے پلاسٹک اتر گیا — تار شارٹ ہو گئے — ،،

،، اچھا ؟ — ،، ہالینڈ نے کہا ،، کیا یہ ممکن ہے کہ پلاسٹک حرارت سے پگھل کر اتر گیا ہو — ،،

،، اوہنہوں — ،، مارٹر نے گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا — ،، ایمینو اسٹرین پلاسٹک تین سو پچاس ڈگری سینٹی گریڈ تک نہیں پگھلتا — ،،

❀ ❀ ❀

رائٹ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ گیرارڈ — اگر پلاسٹک حرارت سے پگھلتا تو اس کی یہ صورت نہ ہوتی — پھر یہ کہ ساڑھے تین سو ڈگری سینٹی گریڈ — تم خود ہی سوچو اتنی زیادہ حرارت کہاں سے آئے گی — ضرور کسی نے اس پر ایسی ٹون وغیرہ ڈال دیا ہے — ،،

،، کھلونوں کی دکان میں بھلا کوئی ایسی ٹون لے کر کیوں جائے گا — اور یہ مشینی خلانورد تو شوکیس میں تھا — سڑک پر سے اور دکان کے اندر سے لوگ ہر وقت اسے دیکھتے رہتے ہیں — ان سب کی نظروں کے سامنے کوئی یہ حرکت کر سکتا ہے ؟ — ،، گیرارڈ نے کہا۔

،، پھر ؟ — تمہارا کیا خیال ہے — ؟ — ،،

،، میں کیا کہہ سکتا ہوں — میں کیمسٹ نہیں ہوں — مگر کیا یہ ممکن نہیں کہ پلاسٹک کسی وجہ سے خراب ہو گئی ہو ،، گیرارڈ نے کہا

،، کیسی خرابی — ؟ — ،،

،، کوئی بھی — مثلاً حرارت یا روشنی اس پر آہستہ آہستہ اثر انداز ہوتی ہوں — ایمینو اسٹرین کو ہم نے لیبارٹری میں آزمایا ہے — استعمال کے بعد طویل مدت میں پیدا ہونے والی خرابیاں وقت کے ساتھ ہی معلوم ہوں گی فضا کی نائٹروجن یا آکسیجن — مونو آکسائڈ وغیرہ — پانی کے بخارات — یہ سب دیکھنا پڑے گا کہ اسے کس نے گلا دیا ہے — ،،

،، مجھے زیادہ امکان اس بات کا نظر آتا ہے کہ نیو لاس کمپنی جس نے ایمینو اسٹرین پلاسٹک کو تجارتی پیمانے پر تیار کرنے کے حقوق حاصل کئے ہیں — کہیں تیاری کے مراحل میں ان سے کوئی غلطی ہو گئی ہو — کیمیائی اجزا کا تناسب یا ان کا معیار درست نہ رہا ہو — ،، رائٹ نے کہا۔ وہ اپنی ایجاد کی خامی کو قبول کرنے پر تیار نہ تھا۔

،، مشکل یہ ہے — ایک تو ان کا تجربہ اور جدید ترین پلانٹ — دوسرے ایک نئی پیشکش کو متعارف کرانے سے پہلے خرابی کی صورت میں کاروباری ساکھ بگڑنے کا ڈر — دونوں باتیں ایسی ہیں کہ وہ حد سے زیادہ محتاط ہوں گے — ،، گیرارڈ نے جواب دیا ،، ہم اس کا لیبارٹری ٹیسٹ بھی کر چکے ہیں — ،، رائٹ نے خراب پلاسٹک کے ٹکڑوں کو ریفریجریٹر میں رکھ دیا — ،، ابھی اس میں سر کھپانے کی ضرورت نہیں — ،،

،، کیوں ؟ — ،، گیرارڈ نے تعجب سے کہا۔

،، اس لئے کہ اس سے زیادہ اہم کام ہماری توجہ کے محتاج ہیں — ،، رائٹ نے اپنی ڈیسک پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ گیرارڈ کا ذہن بدستور اس مسئلے میں الجھا رہا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔ ایک خبر — اس نے اپنے دماغ پر زور دیا۔ زیادہ پرانی بات نہیں — کس اخبار میں — ؟ — اس نے بٹن دبا کر لیبارٹری کی سیکریٹری کو طلب

کیا — مس ڈیوس — گذشتہ دس دن کے سارے اخبار لے آیئے میرے کمرے میں — ۔

آہستہ آہستہ اس نے ایمینا۔ ٹرین کی تیاری میں کسی خامی کے امکانات کا جائزہ لینا شروع کیا دیوار پر پلاسٹک سے بنی ہوئی بہت سی چیزیں رکھی تھیں۔ ٹیوب اور تار جو ٹیلی فون اور بجلی کے آلات میں استعمال ہوتے ہیں اگر ان کا پلاسٹک اتر جائے۔ گل سڑ جائے تو کیا ہوگا — اسے کریمر کے ساتھ کام کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ رائٹ اس سے پہلے سے یہاں موجود تھا اور اس کی ایجاد ایمینو اسٹرین کی مقبولیت نے کریمر لیبارٹری کو معاشی طور پر مستحکم کر دیا تھا۔ اگر یہ ایجاد ناقص ثابت ہوگئی تو یہ استحکام باقی نہ رہے گا اور کریمر اسے کس چیز سے تعبیر کرے گا۔ رائٹ کے ساتھ جذبۂ رقابت سے ؟ — لیکن دوسری طرف یہ اٹل حقیقت تھی کہ ایمینو اسٹرین کی خامی ان گنت خرابیوں کی ذمہ دار ہو سکتی تھی۔ پھر وہ کیا کرے۔ اپنی تحقیق کا رخ موڑ دے۔ کریمر کے نقطۂ نظر سے یہ تخریبی عمل ہوگا لیکن سائنسدان کا نقطۂ نظر کسی فرد کی ذاتی منفعت تک محدود نہیں رہنا چاہئے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے ساری دنیا کے لئے کرتا ہے۔

لیکن ایمینو اسٹرین ہی کریمر کے لئے سب کچھ نہیں تھی، بیشک اس کی دولت میں بے پناہ اضافہ اسی کیمیائی مرکب سے ہوا تھا جس کا بنیادی جزو ایمینو اسٹرین تھی لیکن وہ مرکب اس سے بالکل مختلف تھا۔ اس کی ایجاد محض ایک اتفاق تھی۔ ایمینو اسٹرین پر کیمیائی تجربات کے دوران ایک ایسی چیز بن گئی تھی جو پلاسٹک کی طرح نظر آتی تھی لیکن روشنی اور آکسیجن اسے ذرا سی دیر میں خاک کر دیتے تھے۔ بھورے رنگ کا ایک سفوف جسے پھونک مار کر اڑایا جا سکتا تھا۔ بظاہر اس کا کوئی مصرف نہ تھا لیکن اس نے راتوں رات کریمر کو دولت مند بنا دیا۔ ہوشان کو ایک شب سوتے سوتے یہ خیال آیا۔ وہ کمبل پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا اور آدھی رات کے بعد اس نے کریمر کو اور کریمر نے باقی سب کو تجربہ گاہ میں یہ اطلاع دی کہ اس نئے مرکب سے ایسی بوتلیں اور ڈبے بنائے جائیں گے جو کھانے پینے کی چیزوں، دواؤں، سامان آرائش اور دیگر ہزاروں روزمرہ کے استعمال کی اشیاء کو بند کرنے میں استعمال ہو سکیں گی اور خالی ہونے کے بعد [illegible] اڑ جائیں گی۔ کروڑوں بوتلیں جو ہر گھر سے [illegible] سے نکل کر کوڑے کچرے کے ڈھیروں کی صورت میں جمع [illegible] جاتی ہیں۔ استعمال کرنے والوں نے کہ صفائی [illegible] تک [illegible] مسئلہ بن جاتی ہیں۔ ان کے ڈبے جو نہ جانے کہاں کہاں سے اکٹھے ہو کر اتنا بڑا ڈھیر بن جاتے ہیں کہ ان کو شہر کی سڑکوں اور گلیوں سے ہٹانے میں کارپوریشن کا عملہ [illegible] بھی پوری طرح کامیاب نہیں ہوتا۔ ایک ایسی ایجاد جو پیکنگ کے لئے استعمال ہو اور [illegible] کے بعد خود بخود ختم ہو جائے گی۔ خیال بہت [illegible] ایجاد [illegible] کی تھی اور استعمال ہوشان کا — کریمر نے فوری طور پر اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ استعمال کتنا مفید اور منافع بخش ہوگا۔ اس [illegible] سے پہلے اس

...ای کے مختلف تجربات اور اس کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے ان سب کی مشترکہ ذہنی جدوجہد نے بالآخر جس چیز کو جنم دیا اس کا نام انہوں نے متفقہ طور پر ڈیگرڈن رکھا۔

ڈیگرڈن کی بوتل کے گرد سیاہ پلاسٹک کی ایک پتلی سی تہہ لگی گئی جو روشنی اور ہوا سے بوتل یا ڈبے کو محفوظ کر دیتی تھی۔ سیل بند بوتل کو کھولنے کے لئے سیاہ پلاسٹک کی بیرونی تہہ کو پھاڑنا ضروری تھا چنانچہ ڈھکن کے گرد اسی سیاہ پلاسٹک کا ایک حلقہ سا تھا جسے آسانی سے کھینچ کر توڑا جا سکتا تھا پھر ڈھکن کھل جاتا تھا اور دو گھنٹے کے اندر اندر ڈھکن رہتا تھا۔ بوتل جو راکھ بنتی تھی وہ سیاہ پلاسٹک کو مٹا کر پانی کی طرح بے رنگ محلول بنا دیتی تھی اور یہ محلول پٹرول کی طرح بخارات بن کر اڑ جاتا تھا۔ بوتل کے سیاہ بیرونی پلاسٹک پر واضح سفید حروف میں چھپا ہوا تھا کہ سیل توڑنے کے بعد دو گھنٹے کے اندر اندر بوتل غائب ہو جائے گی چنانچہ اسے کھولتے ہی خالی کر لیا جائے اور اس کے اندر کی چیز استعمال کر لی جائے یا کسی اور برتن میں انڈیل لی جائے۔ سیل توڑنے کے عمل کو دلچسپ اور آسان بنانے کے لئے ڈھکن کے حلقے میں سیاہ پلاسٹک کا ایک کپ سا تھا جسے کھینچنے سے ویسی ہی آواز پیدا ہوتی تھی جیسی زپ کھولنے سے اور ماہرین نفسیات کا خیال تھا کہ یہ آواز زپ کی طرح سیکس اپیل رکھتی ہے۔

پہلی بوتل کی تیاری کے مختلف مرحلوں میں کریمر کی ٹیم ایک نئے جذبے کے ساتھ کام کرتی رہی۔ دن رات ایک ہو گئے۔ اس انقلاب انگیز ایجاد کی کامیابی نے ان کی بھوک پیاس اڑا دی۔ کئی دن کی مسلسل محنت کے بعد جب وہ ٹکن سے چور تھے ایک بھدی بدوضع بوتل بن کر تیار ہوئی جسے کریمر نے دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے روشنی میں لا کر کھولا۔ دو گھنٹے تک وہ سب سانس روکے خاموش بیٹھے رہے یہاں تک کہ بوتل بالکل غیر محسوس طریقے پر غائب ہو گئی۔ خوشی کے مارے وہ پاگلوں کی طرح ناچنے کودنے اور چلانے لگے۔

کریمر نے اس ایجاد کو پیٹنٹ کرانے کے بعد ایک پریس کانفرنس میں سینکڑوں اخباری رپورٹرز ریڈیو کے نمائندوں اور ٹی وی کیمروں کے سامنے اپنی بوتل کو پیش کیا اور سینکڑوں ٹی وی اسٹیشنوں نے کروڑوں اربوں گھروں میں لوگوں کو اپنی آنکھوں سے اس جادوئی بوتل کو غائب ہوتے دکھایا۔ دو گھنٹے کے دوران بوتل میز پر بخارات بن کر اڑتی رہی اور کریمر سوالات کے جواب دیتا رہا۔ پھر جیسے ساری دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ بیک وقت ساری دنیا میں پیکنگ کے لئے بوتلیں اور ڈبے بنانے والی سینکڑوں فرموں کے درمیان اس ایجاد سے فائدہ اٹھانے کی جدوجہد شروع ہو گئی اور کریمر نے مکمل کاروباری ذہنیت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رائلٹی پر اس کی تیاری کی اجازت دینی شروع کی پیسہ برسنے لگا۔ اشتہار دینے والی فرموں نے الگ کمایا۔ بوتل بنانے والوں نے الگ اور ان میں اپنی مصنوعات بھر کر فروخت کرنے والوں نے الگ۔ استعمال کی چیزیں بنانے والی ہر کمپنی نے اخبارات ریڈیو اور ٹی وی پر نت نئے ناموں سے اپنی مصنوعات کو فروخت کرنے کی مہم شروع کر دی۔ "کالا کولا پیجئے بوتل کی فکر مت کیجیے۔۔۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی۔ دودھ آپ لے لیجئے۔ بوتل پانی بن کر اڑ جائے گی۔۔۔ کوڑا کرکٹ ضرور صاف کرے گا۔ آپ اول ایک شیمپو سے سر صاف کیجئے۔۔۔ فاسٹ البال ہیر ٹانک۔ جلسرانی بوتل میں جلسرانی ٹانک۔ بوتل غائب بال حاضر۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

ساری دنیا میں اربوں ہاتھ زپ کی طرح بوتلیں اور ڈبے کھولنے لگے۔ دنیا میں ہر چیز ڈیگرڈن سے بنی ہوئی چھوٹی بڑی شیشیوں بوتلوں، ڈبوں اور ڈولوں میں فروخت ہونے لگی صنعتی پیمانے پر ان کی تیاری اور ان کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت بنانے کے لئے ڈیزائنر اور مشینیں بنانے والے نئے نئے تجربات کرنے لگے۔ ڈیگرڈن روزمرہ زندگی کا ایک جزو بن گیا۔ کسے نام سے یہ پہ واقف تھا۔ شیشے اور پلاسٹک اور پیپر کی طرح۔ کریمر نے سینتالیس فرموں سے معاہدے کئے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر دن بدن صفائی کا مسئلہ بنتے جا رہے تھے دھوئیں کے ساتھ غلاظت میں اضافہ کر رہے تھے یہ ایجاد سب کے لئے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ مگر کریمر کو اس نے سب کچھ دے دیا۔ دولت، عزت، شہرت اس کے سارے خواب سچ کر دیئے۔

اور اب ۔۔ ؟ ۔ گیرارڈ نے سوچا ۔ اگر وہ ۔ یا کوئی اور ۔ یہ ثابت کر دے کہ ڈیگرڈن ۔ یا ایمینو اسٹرین ایک ناقص مرکب ہے تو کریمر کی دولت اور شہرت کے محل مسمار ہو جائیں گے جو اس ایک ستون پر قائم ہیں کیا یہ کام اسے کرنا ہوگا ۔ ؟ ۔ کیا اس کے بعد کریمر کی سائنسی جدوجہد جاری رہے گی خواہ اس کا مقصد دولت کا حصول ہو یا کچھ اور ۔ کیا وہ اس کا دوست رہے گا یا اس پر بھروسہ کرے گا ۔ ؟ ۔

مس ڈیوس نے اخبارات کا پلندہ اس کے سامنے رکھا تو اس کے خیالات کی رو ٹوٹ گئی "آپ کافی تو نہیں پئیں گے ؟ " ۔ اس نے بے رخی سے پوچھا۔ گیرارڈ نے بلا ارادہ نفی میں سر ہلا دیا۔ اخبارات کے صفحے پلٹتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ کافی کی تو اسے اشد ضرورت ہے۔ ہوائی حادثے کی خبر ایک ہفتہ پرانی تھی۔ اس بارے میں تحقیقات جاری تھیں۔ مگر اس شبہ کا اظہار ضرور کیا گیا تھا کہ بجلی کے تاروں کے جال میں کہیں کوئی شارٹ سرکٹ ہو گیا تھا۔ ایمینو اسٹرین کی تہہ اتر جانے سے۔ تاروں پر غلاف ہر جگہ ایمینو اسٹرین ہی استعمال ہو رہی تھی۔ اس نے بے دلی سے اخبار ایک طرف رکھ دیئے اچانک اس کی نظر لندن میں ٹریفک جام اور حادثات سے متعلق ایک خبر پر پڑی ۔ سلیٹر ۔ یہ کون ہے ۔ ؟ ۔ اس نے سوچا ۔ خیر ہوگا کوئی ۔ اس نے اپنی پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ ٹریفک کے نظام کو کنٹرول کرنے والے خودکار نظام کے کمپیوٹر میں ایک شارٹ سرکٹ ہو گیا تھا۔ پلاسٹک کی تہہ اتر گئی تھی۔ کمپیوٹر بنانے والوں کی طرف سے اس کو تخریبی کارروائی بتایا گیا تھا اور انہوں نے اس الزام کو بے بنیاد قرار دیا تھا کہ کمپیوٹر میں اس مخصوص تار کو جوڑتے وقت احتیاط سے کام نہیں لیا گیا تھا۔ گیرارڈ کو ہوائی حادثہ اور کمپیوٹر کی خرابی کے درمیان کوئی رشتہ نظر نہیں آتا تھا۔ مگر یہ

کایا پلٹ

کسی شہر میں ایک عالم رہتا تھا جس کی دینداری کا دور دور تک شہرہ تھا۔ ایک ملحد نے اسے مناظرے کی دعوت دی۔ دونوں کے درمیان صبح سے شام تک مناظرہ چلا مگر کسی نے بھی شکست تسلیم نہیں کی۔ چند روز بعد لوگوں نے دیکھا کہ اس ملحد نے نماز و دیگر مذہبی ارکان باقاعدگی سے ادا کرنے شروع کردیے ہیں جبکہ اس عالم نے اپنا تمام کتب خانہ جلا کر ملحدانہ زندگی اختیار کرلی۔
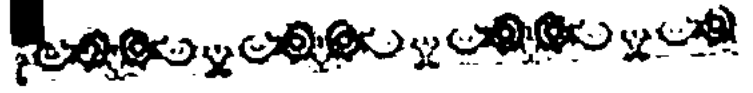
ممکن تھا۔ اس نے کافی طلب کی۔ آہستہ آہستہ گیرارڈ کے ذہن میں یہ شبہ تقویت پکڑتا گیا مگر ابھی وہ قطعی طور پر پورے وثوق سے یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ تصدیق ضروری تھی۔ گریمر سے کوئی بات کرنے سے پہلے اس کے پاس ناقابل تردید شہادت ہونی چاہیے۔ اس نے ٹریفک کے جام والی خبر کو غور سے پڑھا۔ وہیں ایک چھوٹی سی سرخی یہ تھی کہ سلیٹر کو تحقیقات مکمل ہونے تک معطل کردیا گیا ہے لیکن وہ بدستور وزارت مواصلات کا مشیر ہے۔ اس نے فون اٹھایا۔ وزارت مواصلات میں آپریٹر نے جواب دیا۔ "یس سر۔"

"میں مسٹر سلیٹر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ گیرارڈ۔ نیوک گیلوڈ۔"

❋❋❋❋

سلیٹر تھوڑی سی تاخیر سے پہنچا لیکن سینٹ جیمس اسٹریٹ کے بار میں گیرارڈ اسے منتظر ملا۔ سلیٹر پہلے سے پیشہ ور صحافی کہا تھا جو کسی نہ کسی بہانے سنسنی خیز سرخی جمانے کی تلاش میں رہتے ہیں کیونکہ گیرارڈ نے اپنا تعارف ضرور کرایا تھا لیکن کام کی نوعیت نہیں بتائی تھی۔ گیرارڈ نے ٹیلی فون پر کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ بات محض شبہ کی تھی اور کسی بھی طرح گریمر تک پہنچ جاتی تو ردعمل نہ جانے کیا ہوتا۔ وہ چاہتا تھا سلیٹر خود ہی سب کچھ بتا دے۔ سلیٹر کا چہرہ ایک متفکر انسان کا چہرہ تھا۔ وہسکی کے دو جام پی کر وہ ذرا سا کھلا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ تم کون ہو۔ اور کیا چاہتے ہو۔ مگر میں اب کسی سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ اگر تم صحافی ہو تو جو تمہارا جی چاہے چھاپ دو۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔" اس کی گفتگو سے ذہنی کرب کی غمازی تھی۔ سرکاری تحقیقات کے طویل بیزار کن سرخ فیتے میں بندھے ہوئے شخص کی کیفیت کی عکاسی۔

"میں صحافی نہیں ہوں۔" گیرارڈ نے مسکرا کر کہا۔ "ڈاکٹر ہوں۔ گریمر گروپ کا۔" سلیٹر نے سر ہلایا۔ "میں تم سے ایک بات ضرور کہوں گا۔ کبھی کسی ایسے ادارے میں کام نہ کرنا ڈاکٹر۔ جہاں تمہارا ذہن غلام ہو جائے۔ جہاں تمہارے گرد بزدل لوگ جمع ہوں۔ بزدل اور احمق۔ جنکے دماغوں میں بھوسہ بھرا ہو۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کرنے دیں گے اور کوشش کریں گے کہ تمہارا دماغ نکال کر اس میں بھی بھوسہ بھر دیں۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو ناں ڈاکٹر، یا تمہاری کھوپڑی میں بھی پہلے ہی بھوسہ بھرا جاچکا ہے۔" اس نے گلاس کو زور سے میز پر رکھا۔

"مسٹر سلیٹر۔ آپ مجھ پر مکمل اعتماد کرسکتے ہیں۔ میں بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہوں۔" گیرارڈ نے کہا۔ چند لمحے سلیٹر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھا رہا۔ گومگو کی کیفیت میں۔ "بات یہ ہے ڈاکٹر گیرارڈ۔ مجھے کسی پر اعتماد نہیں ہے۔ میری حالت اس خرگوش کی طرح ہے جس کے تعاقب میں شکاری کتے ہیں۔ بھوکے۔ پتہ بھی کھڑکتا ہے تو میرے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجھے ہر طرف خطرہ نظر آتا ہے۔"

گیرارڈ کو اس کی صاف گوئی نے متاثر کیا اور اسے سلیٹر کی حالت پر افسوس بھی ہوا۔ اس کی ذہنی کیفیت کے پیش نظر گیرارڈ نے اپنے خدشات کا اظہار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ اس نے ہیرٹ اسٹور میں کھلونے والے واقعہ کو ہوائی حادثے اور سلیٹر کے منصوبے کی غیر متوقع ناکامی سے جوڑنے کی کوشش کی۔ "مجھے اس بات کا امکان نظر آتا ہے کہ امینو اسٹرین طویل مدت میں فضائی اثرات کے تحت خراب ہونے لگتی ہے۔ اس میں کوئی کیمیائی تبدیلی ہونے لگتی ہے۔ اگرچہ میں ابھی یہ نہیں بتا سکتا کہ کیوں۔ کون سی چیز اسے نقصان پہنچاتی ہے۔ دیکھو نا۔ اسی سے ڈیگریڈون بنا ہے۔ اور وہ روشنی اور ہوا کے لگتے ہی ختم ہونے لگتا ہے۔ شاید امینو اسٹرین میں بھی مخصوص حالات میں یہ خاصیت پیدا ہو جاتی ہو۔"

سلیٹر تعجب اور دلچسپی سے سنتا رہا۔ "ہاں۔ یہ ممکن ہے۔ ورنہ کسی وجہ کے بغیر اچانک تاروں پر سے امینو اسٹرین کی تہہ کا غائب ہو جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ الو کے پٹھے۔ کمپیوٹر والے کہتے ہیں کہ کسی نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ کیسے کیا تو سب چپ ہو جاتے ہیں۔ کمپیوٹر پر چوبیس گھنٹے آپریٹر اور انجینئر موجود رہے۔ سوائے ان کے کون سمجھتا ہے کہ کمپیوٹر کیا ہے۔ اور انہیں کیا فائدہ؟ خیر۔ میں ہالینڈ سے کہوں گا کہ وہ اس امکان کو بھی ذہن میں رکھے۔"

وہ اٹھا مگر آدھے راستے سے لوٹ آیا۔ اس کے چہرے پر امید کی چمک روشن تھی۔ "ڈاکٹر۔ تم اگر انتظار کرو تو میں اس سے بات کرکے پھر تمہیں یہیں ملوں۔ لنچ کا وقت ہے۔ وہ کہیں ٹل رہا ہوگا۔ پھر ہم یہیں لنچ کریں گے۔"

"اوکے۔ میں انتظار کروں گا۔" گیرارڈ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس نے تالاب کے ساکت پانی میں ایک کنکری پھینکی تھی مگر اسے سلیٹر کی مدد کرنے کی خواہش نے مجبور کردیا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ لوٹا تو اس کا مسکراتا ہوا چہرہ اس سلیٹر کے اترے چہرے سے قطعی مختلف تھا جسے گیرارڈ نے تھوڑی دیر قبل یہاں دیکھا تھا۔ کھانے کے دوران انہوں نے بہت کم بات کی لیکن سلیٹر کی گیرارڈ نے

خاصا متاثر کیا۔

"گیرارڈ — تم نے مجھے نیا حوصلہ عطا کیا ہے۔" ہالینڈ نے مائر سے مل کر اس امکان کا جائزہ لینے پر آمادگی ظاہر کی ہے"

"مسٹر سلیٹر — مجھے آپ کی مدد کر کے خوشی ہوئی —" اس نے سلیٹر کا ہاتھ تھام کر کہا — "اور آپ سے مل کر بھی —" کھانے کے بعد وہ دوستوں کی طرح رخصت ہوئے۔ گیرارڈ نے محسوس کیا کہ اس نے کوئی غلطی نہیں کی۔ کوئی ایسا بیان نہیں دیا جس سے کریمر کو نقصان ہو۔ صرف تحقیقات کرنے والوں تک ایسی بات پہنچا دی ہے جو شاید ان کے ذہن میں نہ ہو — ابھی تو اس نے صرف ایک شخص کی مدد کی ہے لیکن اگر اس کے خدشات درست ثابت ہوئے تو نہ جانے کتنے ہوائی حادثات نہیں ہونگے۔ لندن کی سڑکوں پر سلیٹر ٹریفک کنٹرول کر سکے گا۔ ایک عظیم ذہن کا عظیم خواب ادھورا نہیں رہے گا۔ نہ جانے کتنے سلیٹر معطل نہیں ہونگے اور خوف ان کے ذہنوں کی پرواز کی راہ میں حائل نہیں ہوگا — سلیٹر کا پریشان خوفزدہ چہرہ اس کے سامنے تھا۔ میں دشت غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں — بھوکے کتے میرے تعاقب میں ہیں۔ پھر اس نے سلیٹر کی آواز سنی — پُر امید — تم نے مجھے نیا حوصلہ عطا کیا ہے۔ وہ مسکرایا کریمر سے میرا کیا رشتہ ہے اور کریمر کا نفع نقصان کیا چیز ہے۔ اس نے اطمینان سے سوچا۔ اس سے کہیں عظیم تو انسان کا وہ دماغ ہے جو ہمیشہ عظیم تر مستقبل کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ اس میں کوئی بھوسہ نہیں بھر سکتا۔ کوئی نہیں۔ نہ کریمر اور نہ ایسٹرن اور نہ کوئی اور — !!!

❀❀❀

مائر کے کمرے میں ایک لمبی سی ڈیسک پر ماڈل ریلوے لائن بچھی ہوئی تھی اور دیوار پر انگلینڈ کے رنگین نقشے پر ہوائی جہاز کے راستوں کی لکیریں بنی ہوئی تھیں۔ پنسل اور کوئلے سے بنی ہوئی ایک تصویر میں پہلی زیر زمین گاڑی کو سرنگ نما راستے کے اندر دکھایا گیا تھا۔ انجن کا دھواں سرنگ کی چھت تک پہنچ رہا تھا۔ الماری میں جو کتابیں بھری پڑی تھیں وہ بھی اوٹ پٹانگ موضوعات پر تھیں۔ برنارڈ ہالینڈ کسی کو فون کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے آیا تھا۔ "ہنسن نہیں بھائی جنسن — نہیں سیل سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں ہاں — میں ہولڈ کئے ہوئے ہوں — "فون پر ہاتھ رکھ کر اس نے برا سا منہ بنایا۔ "مصیبت ہے ان بڑے بڑے کاروباری لوگوں میں کسی سے رابطہ قائم کرنا —" اس نے مائر سے کہا — "ہلو ہنسن — میں ہالینڈ — ہاں — تمہیں کچھ پتہ چلا — گڈ — ہاں ہے تو حیرت کی بات — خیر — یہ تار مارکس نے سپلائی کئے تھے —" ہالینڈ نے پھر فون پہ ہاتھ رکھ لیا — "دیکھو رہا ہے —" اس نے سرگوشی میں مائر سے کہا — "ہاں — نئے تار تھے — ایمینو اسٹرین کے کور والے — شکریہ بھائی — ہاں بس اب مشکل کو — خدا حافظ —" اس نے

سفارشی رقعہ

ایک شخص نے کسی سلسلے میں امریکہ کے صدر ابراہام لنکن سے سفارش کرنے کو کہا۔ لنکن سفارش کے سخت خلاف تھے لیکن معاملہ ایسا تھا کہ وہ اس شخص سے صاف انکار بھی نہیں کر سکتے تھے اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ متعلقہ افسر کو اس سلسلے میں مجبور کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے سفارشی رقعہ لکھتے ہوئے لکھا۔

"یہ مسٹر ولیم کے لیے تعارفی رقعہ ہے۔ یہ چند کاروباری سلسلوں میں واشنگٹن جاتے رہتے ہیں۔ یہ اپنی ہر اس بات کے خود ذمہ دار ہیں جو یہ آپ سے کہیں گے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ آپ سے کسی نہ کسی موضوع پر کوئی نہ کوئی بات ضرور بالضرور کریں گے"

شکیل خان، گجرات

فون رکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ "ٹھیک ہے — خرابی اسی تار میں تھی جس پر ایمینو اسٹرین چڑھی ہوئی تھی —"

"فائن —" مائر نے ماڈل ریلوے کو زور سے دھکیلتے ہوئے کہا وہ سیدھی دیوار کے بفر سے جا ٹکرائی: "اب کچھ ایسا لگتا ہے کہ دودھ اور دودھ کا پانی ہو جائیں گے"

"تار نیو پلاس والوں نے فراہم کیا تھا —" ہالینڈ نے کہا۔ "نیو پلاس لمیٹڈ۔ السکیں"

"مجھے معلوم ہے — یہ ایمینو اسٹرین کیا بلا ہوتی ہے —" مائر نے کہا —

"زیادہ تو نہیں معلوم مگر پلاسٹک سے زیادہ مضبوط اور سستی چیز ہے۔ کریمر لیبارٹری میں ایک نوجوان ہیرالڈ رائٹ کی ایجاد ہے انہی نے بعد میں ڈیگردین ایجاد کیا —" ہالینڈ نے کہا — "اسی میں ان کے وارے نیارے ہو گئے —"

مائر نے سر ہلایا — "یہ سب کریمر کے ذہن کا کرشمہ ہے۔ اس نے لوگوں کو ادھر ادھر سے جمع کر کے سب کو ایک کام پر لگا دیا —" لیکن کریمر بھی اس وقت بڑا متفکر اور پریشان بیٹھا تھا۔ رائٹ دوسری کرسی پر نیم بیزاری کے عالم میں دراز تھا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارا اس میں کیا قصور ہے —" رائٹ نے چڑ کر کہا۔

بصیرت

حسن بصریؒ جب حجاج کے ظلم سے تنگ آ گئے تو آپ نے روپوش ہونے کی ٹھانی اور حبیب عجمیؒ کے حجرۂ عبادت میں پناہ لی۔ حجاج کے آدمی آپ کو تلاش کرتے ہوئے آئے اور کہنے لگے۔ حبیب تم نے حسن کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ ملازموں نے کہا: کہاں دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا ابھی میرے عبادت خانے میں تشریف لے گئے ہیں۔ متلاشی اندر حجرہ میں گئے۔ کسی کو نہ پایا۔ کہنے لگے حبیب عجمی نے ہم سے مذاق کیا ہے۔ غضبناک ہو کر بولے سچ بتاؤ کہ انہیں کس جگہ دیکھا ہے۔ آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ سچ کہتا ہوں وہ میرے حجرۂ عبادت میں ہیں۔ وہ بارہ پھر گئے مگر حسن بصریؒ انہیں نظر نہ آئے۔ سہ بارہ دیکھنے گئے اور آخر کار مایوس ہو کر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد حسن بصریؒ حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا حبیب یہ تو میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری برکت سے مجھے ان کی نظر سے مخفی کر دیا مگر تم نے ان سے یہ کیوں کہہ دیا کہ حسن بصری اس جگہ اندر ہیں:

عرض کی: "استادِ محترم: میری برکت سے آپ ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں کئے گئے۔ بلکہ وہ سچ جو میں نے بولا۔ اس کی برکت سے آپ کو وہ پا نہ دیکھ سکے۔ اگر میں جھوٹ بول دیتا تو وہ مجھے اور آپ کو رسوا کرتے":

——— کشف المحجوب

"قصور ہے یا نہیں صورتحال یہ ہے کہ نیوپلاس والے ہمیں ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں — ہوائی جہاز کے حادثے — ٹریفک جام — اور کھلونوں والی دکان کے واقعے میں ایمینواسٹرین کی خرابی ہی سامنے آئی ہے —" کریمر نے کہا۔

"کریمر — دو یا تین حادثات میں جو الگ الگ وقتوں میں پیش آئے کوئی ایسی بات تلاش کر لینا جو مشترک ہو — کیا مشکل ہے — آخر تحقیقات کرنے والوں کو کچھ نہ کچھ تو ثابت کرنا ہی تھا اور انہوں نے اپنی آسانی کے لئے یا کسی اور وجہ سے — مثلاً یہ کہ ہمارے کسی بدخواہ نے انہیں معقول معاوضہ ادا کر دیا ہو — باہمی رضامندی سے ایک بیان دے دیا ہو —" رائٹ نے جواب دیا۔

"رائٹ — ایسے کام نہیں چلے گا — تم نیوپلاس لمیٹڈ سے آئے تھے۔ میں تمہیں لایا تھا۔ تم نے یہیں رہ کر نام پیدا کیا اور دولت کمائی —"

"صرف میں نے —؟" — رائٹ نے طنز سے کہا۔

"اچھا اچھا ہم دونوں نے — مگر اب ہم دونوں خطرے میں ہیں — نیوپلاس والے کہتے ہیں کہ ہم نے غلط بیانی کی۔ ایمینواسٹرین کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ خامیوں کا ذکر گول کر گئے — مثلاً وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں کیا خرابیاں رونما ہو سکتی ہیں" کریمر نے کہا۔

"اس کا تم نے موقع ہی کب دیا —؟" — رائٹ نے کہا۔

"میں نے —؟" — کریمر نے حیرت سے پوچھا۔ "میں نے کیسے؟"

"ہاں تم نے — اس لئے کہ تم تاخیر برداشت نہیں کر سکتے تھے تم پیسہ کمانا چاہتے تھے — جلد از جلد — تم نے ہمیں اتنی مہلت نہیں دی کہ ہم وقت گزرنے کے ساتھ پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا مشاہدہ کر سکتے تم نے ہمیں مجبور کیا — یہ بھی چھوڑو — اسے بھی جانے دو بس اتنا کافی ہے —" رائٹ کی آواز بلند ہوتی گئی — "اب تم ہی بتاؤ — بھگتو — نام تم نے کمایا — بدنامی بھی بھگتو" — کریمر کا چہرہ فق ہو گیا — بیوشان اس دوران خاموشی سے اندر آ کر بیٹھ گیا تھا۔

"کریمر —" بیوشان نے کہا "آپس میں لڑنا بے کار ہے۔ کیا قانونی طور پر ہم محفوظ ہیں —؟"

کریمر نے سوالیہ نظروں سے دیکھا — "کیا مطلب؟"

"ہم نے تین سو سے زائد معاہدے کئے ہیں اور نہ جانے کہاں کہاں ایمینواسٹرین کا استعمال ہو رہا ہے" بیوشان نے کہا — "اگر اس کی خرابی ثابت ہو گئی تو جتنے حادثے جتنی اموات اور جتنا نقصان ہو گا اس کے ذمہ دار ہم کیے جائیں گے —"

"کیوں؟" — رائٹ نے مشتعل ہوتے ہوئے کہا — "ہم نے ایک چیز بنائی — اس کا طریقہ بتا دیا اور اس کا فارمولا فروخت کر دیا۔ کوئی غلط بیانی نہیں کی — کسی خامی کو نہیں چھپایا — جو چیز تھی جیسی تھی سامنے رکھ دی — خریدنے والوں نے اپنا اطمینان کر کے خریدی بعد کے ذمہ دار ہم نہیں — ایک تجربہ ہم نے کیا تھا جو کامیاب ہوا ہم نے کہیں یہ ضمانت نہیں دی کہ بعد میں جو خرابیاں سامنے آئیں گی ہم ان کا خمیازہ بھی بھگتیں گے —"

"پھر بھی یہ ہمارا فرض ہے —" بیوشان نے کہا —

"ہمارا فرض کیوں ہے خریدنے والے بھی وہ لوگ تھے جنکو ہم جیسے سینکڑوں سائنسدانوں کی خدمات حاصل تھیں — کیا ان کا فرض نہیں تھا کہ خریدنے سے پہلے آزما لیتے؟ اگر کوئی شبہ تھا تو دور کر لیتے؛" رائٹ نے غصے کے عالم میں ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے کہا — "ان کی عقل گھاس چرنے چلی گئی تھی کہ انہوں نے سوچے سمجھے بغیر استعمال کرنا شروع کر دیا —"

کسی نے رائٹ کی بات کا جواب نہیں دیا۔ پھر کریمر نے فون اٹھا کر گیلارڈ کے گھر کا نمبر ملا دیا۔ وہ اکیلا رہتا تھا۔ اور اس نے اپنے چھوٹے سے فلیٹ کی آرائش تجریدی انداز میں اپنے ذوق کے مطابق کی تھی بہت کم لوگوں کو اس کباڑ خانے میں حسن آرائش کا احساس ہوتا تھا دیواروں پر روشنی آڑے ترچھے زاویوں سے منعکس ہوتی تھی چھت میں اور فرش پر کہیں اسپیکر پوشیدہ تھے جو اسٹیریو ریکارڈوں کے نغموں

گو اس طرح سناتے تھے کہ کمرہ موسیقی سے بھر جاتا تھا۔ چھت میں شیشے کے گولے لٹک رہے تھے رنگین پلاسٹک کے مکعب زینے کی طرح رکھے تھے ان پر کتابیں لگی تھیں۔

"ہلو ۔۔" اس نے فون کو کندھے اور کان کے درمیان دبا کر انڈے پھینٹتے ہوئے کہا۔

"جیرارڈ ۔۔ شاید تمہیں معلوم ہوگا کہ بات ایمینواسٹرین پر آ رہی ہے ۔۔ ہاں ۔۔ ایک تو برنارڈ ہالینڈ ہے ۔۔ وزارت مواصلات کا سائنسدان ۔۔ دوسرا ایئر کرافٹ انسپکٹر مائر ہے ۔۔ سارا معاملہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ فوراً ان سے بات کرو ۔۔ اس طرح کہ الزام ہم پر نہ آئے ۔۔ ہاں ۔۔ محتاط ہو کر بات کرنا ۔۔ ذرا ہوشیاری سے ۔ بالکل ۔ تعمیراتی کا ہے ۔۔ انہیں اطمینان کر لینا چاہئے تھا۔ میرا مطلب ہے بنانے والوں کو۔ ہاں ۔۔ ہم نے کوئی ضمانت نہیں دی تھی سال دو سال یا پچاس سال کی ۔ قطعی نہیں ۔۔ مائر ۔۔ اس کا پتہ ہے ... ہاں۔ کمرہ نمبر دو سو چوبیس ۔ وزارت صنعت ۔" جیرارڈ نے فون رکھ دیا اور مسکرایا ۔ "اگر انڈا خراب نکل آئے تو کیا مرغی ذمہ دار ہو سکتی ہے ۔ ؟ نہیں ۔" اس نے آملیٹ بناتے ہوئے سوچا ۔ "اور گیا تو بیچارہ دکاندار ۔ یا کھانے والا۔"

❀❀❀

لندن کی زیر زمین ریلوے اچانک رک گئی۔ ڈبے میں ان لوگوں کے پسینے اور جسموں کی ملی جلی بو تھی جو سب کے سب کام سے لوٹ رہے تھے۔ تیل اور پسینے سے گندے ہاتھوں اور کام کے میلے لباس کے علاوہ بڑھی ہوئی شیو نے ان کے چہرے پر تھکن اور پژمردگی کے احساس کو شدید کر دیا تھا لوگ ایک دوسرے سے ملے کھڑے تھے۔ ایک طویل قامت شخص اپنے سامنے کھڑے ہوئے پست قد مرد کے کندھوں کے اوپر سے اس کے سامنے پھیلا ہوا اخبار پڑھنے میں مگن تھا۔ ایک موٹی عورت ایک داڑھی والے شخص کی بد اخلاقی سے نالاں تھی جو مسلسل باہر دیکھ رہا تھا تاکہ اسے اپنی جگہ معزز خاتون کو پیش کرنی پڑے۔ گاڑی ایک جھٹکے سے چلی اور پھر رک گئی۔ نوجوان نے سیٹی کی تال پر جوتا بجانا شروع کیا اور ایک سیاہ فام لڑکی کو آنکھ ماری۔ موٹی عورت کو مزید صدمہ ہوا۔ نوجوان نے سگریٹ سلگائی تو اس کے لئے برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ "سگریٹ پینا منع ہے مسٹر ۔۔" اس نے بورڈ کی طرف اشارہ کیا ۔ "اچھا ؟ ۔۔" اس نے بے حد تعجب سے کہا اور سگریٹ کو دو انگلیوں سے مسل دیا۔ اس کی راکھ موٹی عورت کے جوتے پر گری۔ پندرہ منٹ گذر گئے تھے لوگ گھڑی دیکھتے دیکھتے بھی بیزار ہونے لگے۔ بھوک کے علاوہ بھی بہت سے مسائل انہیں پریشان کر رہے تھے۔ فرسٹ شو جس کا وہ ٹکٹ خرید چکے تھے ۔ وعدہ جو وہ کسی سے کر چکے تھے۔ بچے جوان کے انتظار میں تھے۔ بیویاں جو پریشان ہوں گی۔

ڈبوں کو ملانے والا شیشے کا دروازہ کھول کر ریلوے کی نیلی وردی میں کنڈکٹر گارڈ نے ان کے ڈبے میں قدم رکھا تو وہ سب بہت پڑے ۔ "گھنٹہ بھر ہو گیا ہے تیرا پر ۔۔"

"یہ کیا گڑبڑ ہے ۔ کیا ہم رات یہیں بسر کریں گے ۔ ؟"

"کتنی دیر اور لگے گی ؟ ۔"

"دھکا لگانا پڑے گا کیا ۔ ؟"

"پلیز پلیز ۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا ۔۔ "سگنل خراب ہو گیا ہے ۔ آپ لوگ چند قدم پیدل چلنے کی زحمت کریں۔ سگنل کے ادھر دوسری گاڑی تیار ہے ۔"

"اور ریلوے لائن پر جو کرنٹ ہے ؟ ۔"

"دو فرلانگ میں چند قدم ہوتے ہیں ؟ ۔"

"اسے ہم نے بند کر دیا ہے ۔۔ ہم زحمت کے لئے معذرت خواہ ہیں۔" بکتے جھکتے ۔ غصے سے بڑبڑاتے ۔۔ چیئرمین سے گفتگو کا تہیہ کرتے۔ وزیر کو خط لکھنے سے لے کر اخبار میں کالم لکھنے تک کے منصوبے بناتے لوگ ایک ایک کر کے اترنے لگے۔ ان کے آگے لوگوں کی ایک طویل قطار سلیپرز پر قدم رکھتی جا رہی تھی ۔ "سگنل کیسے خراب ہو سکتا ہے ۔۔" موٹی عورت نے سیٹی بجانے والے نوجوان سے کہا ۔ "یہ سب ڈھونگ ہے ۔۔" اس نے سنجیدگی سے کہا ۔ "اصل بات یہ ہے خاتون کہ ۔۔" اس نے سگریٹ کو کان سے ہٹا کر دوبارہ سلگاتے ہوئے کہا ۔ "ساٹھ سال قبل ٹھیک اسی وقت ڈرائیور پیدا ہوا تھا جب گاڑی رکی ۔۔ اسے یاد تھا۔ چنانچہ ساٹھ سال پورے ہوتے ہی وہ ریٹائر ہو گیا ۔ اس نے گاڑی چلانے سے انکار کر دیا ۔ قانوناً اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا تھا ۔" کچھ لوگ مسکرائے خاتون نے برا سا منہ بنایا مگر سیاہ فام لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی۔ نوجوان اس کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگا سرنگ کے اندر رکی ہوا گرم تھی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر گول دیواروں میں بلب روشن تھے۔ پیچھے نیم تاریک راستے پر وہ خالی کھڑی ہوئی گاڑی ایک روشن لکیر کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اسٹیشن کی روشنی سامنے ایک فرلانگ دور جھلملا رہی تھی نوجوان نے زور سے سیٹی بجائی اور اس کی بازگشت کو سنا۔ لوگ ایک قافلے کی صورت میں آگے پیچھے چل رہے تھے سگنل کیبن کے اندر نیلی وردی میں ملبوس کنڈکٹر گارڈ نے ٹیلی فون سنبھال رکھا تھا ۔ "میں نے کہا کہ لائٹ سرخ ہے ۔۔ پندرہ منٹ تک تو میں انتظار کرتا رہا ۔ نہیں ۔ مجھے معلوم ہے کہ سگنل خودکار ہے ۔۔ ہاں میں نے سوئچ سے بھی کوشش کر لی ۔۔ اسٹیشن ماسٹر کو معلوم ہے ۔۔ دوسری گاڑی کا بندوبست اسی نے کیا ہے ۔۔" وہ کچھ دیر سنتا رہا۔ "یہ میرا کام نہیں ہے ۔۔" اس نے فون بند کر دیا۔ نیچے اتر کر وہ مسافروں کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ بلا ارادہ وہ سرنگ کی دیواروں کے ساتھ ساتھ چلنے والی بجلی کے تاروں کو دیکھتا گیا۔ جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چینی کے گول پیالہ نما انسولیٹرز کے سوراخوں سے گذر رہے تھے۔ اچانک اس کے قدم رک گئے۔ سرنگ

ایک بار طویل سفر کی مشقتوں کے بعد امام غزالیؒ دمشق پہنچے تو جمعے کا دن تھا۔ نماز جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد اموی کا رُخ کیا۔ مسجد بھری ہوئی تھی۔ آخر میں سیڑھیوں کے قریب جگہ ملی۔ خطبہ دیتے وقت واعظ نے ایک موقع پر اپنی بات کی تائید میں امام غزالی کا حوالہ دیا۔ امام غزالی حیران ہوئے اور اس خیال سے کہ واعظ کو غلط فہمی نہ ہوگئی ہو، آپ نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ واعظ کے پاس گئے جو اپنے مدّاحوں میں گھرا ہوا تھا۔ آپ نے انتہائی انکساری سے واعظ سے کہا کہ انھیں کچھ باتیں تخلیے میں کہنا ہیں۔ واعظ نے نخوت سے امام غزالی کی طرف ایک نگاہ ڈالی اور بولا کہ میاں صاحبزادے (حالانکہ امام غزالی اس سے عمر میں کافی بڑے تھے) تخلیے کی ضرورت نہیں، جو کہنا چاہتے ہو سب کے سامنے کہہ دو۔ اس پر امام غزالی نے اپنا تعارف کرایا اور نام غلط طور پر استعمال کرنے کی وجہ دریافت کی۔ اس پر واعظ غصّے سے لال پیلا ہو گیا اور کہنے لگا کہ لگتا ہے کہ تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے کہ خود کو غزالی سمجھنے لگا ہے۔ اگر تیرے باپ نے تیرا نام غزالی رکھ دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تو غزالی بن گیا ہے۔ امام غزالی واعظ کی دیدہ دلیری کا کیا جواب دیتے۔ صبر کر کے واپس لوٹ آئے۔

نور جہاں ۔ میرپور ماتھیلو

کی دیوار میں ایک بلب کے قریب مڑے تار کا تابنہ چمک رہا تھا۔ ایمینواسٹرین کی موٹی تہہ جگہ جگہ سے کٹ کر نیچے گر گئی تھی۔ کئی جگہ سے یہ رنگین تہہ پگھل کر قطرہ قطرہ نیچے ٹپک رہی تھی۔ جھاگ کی طرح بلبلے بن بن کر ٹوٹ رہے تھے۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔۔۔؟ کنڈکٹر گارڈ دس سال سے اسی راستے پر گاڑیوں میں سفر کر رہا تھا۔ اس کے سامنے پرانی گاڑیوں کی جگہ الیکٹرک ٹرین نے لی تھی اور سگنل کا خودکار نظام نصب کیا گیا تھا جو خطرے کی صورت میں ریلوے لائن کو لاک کر دیتا تھا۔ پچیس سال پرانے تاروں کی جگہ نئے تار لگائے گئے تھے۔ بالکل نئے تار ۔۔۔ وہ واپس ریلوے سگنل جانب بھاگا اور فون اٹھا لیا۔ ہلو ۔ ہلو ۔ سگنل آپریشن چیف ۔ میں ڈی بول رہا ہوں ۔

✕✕✕

ہالینڈ اپنے آفس میں اکیلا بیٹھا تھا۔ اس کا ہاضمہ پھر خراب تھا۔ اس نے ہاضمے کی دوا کی ایک خوراک پی کر ڈکار لی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ہلو سلیڈ ۔ ہاں ۔۔۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ٹیوب میں ایک سگنل فیل ہو گیا تھا ۔ ہاں ۔ کنڈکٹر گارڈ کی رپورٹ مجھے مل چکی ہے۔ کون ۔ نہیں ۔ میں جانتا تو نہیں مگر خیر ۔ اپنے ساتھ لے آؤ ۔ چند منٹ بعد اس کے کمرے میں ہالینڈ اور سلیڈ کے علاوہ ایک اور شخص بیٹھا تھا۔ جس کا تعارف سلیڈ نے گیرارڈ کے نام سے کرایا تھا۔ وہ میز کے کونے پر ٹکا ہوا گفتگو کر رہا تھا۔ مسٹر ہالینڈ ۔۔۔ اگر واقعات کو ترتیب وار سامنے رکھا جائے تو ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے ۔۔۔ حادثات کا سبب تاروں کا شارٹ ہونا تھا۔ ان سب پر سے ایمینواسٹرین غائب ہو گئی تھی۔ حالانکہ کہیں بھی ۔۔۔ سوائے جہاز کے ۔۔۔ درجہ حرارت کے ساڑھے تین سو ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچنے کا سوال ہی نہ تھا۔ بے شک تاروں کا پلاسٹک کٹ جاتا ہے ۔ پھٹ جاتا ہے مگر یوں غائب نہیں ہوتا۔ بغیر حرارت کے پگھلا نہیں کرتا ۔۔۔ گیرارڈ نے کہا۔

مسٹر گیرارڈ ۔۔۔ واقعات مقامات اور وقت کے اعتبار سے الگ ہیں ۔۔۔ غالباً تار بھی الگ الگ کمپنیوں کے بنائے ہیں ۔۔۔ ہالینڈ نے کہا

کوئی نتیجہ اخذ کرنا قبل از وقت ہے ۔۔۔"

"میرا مطلب یہ نہیں کہ میں کوئی فیصلہ کر رہا ہوں۔ میں امکانات پیش کر رہا ہوں۔ فرض کیجیے ایمینواسٹرین میں کہیں کسی خاص وجہ سے کوئی ایسا نقص پیدا ہو جاتا ہے ..."

"آپ اپنی لیبارٹری میں خلا نورد کے ۔۔۔ اس کھلونے کی پالش کی خرابی کا تجزیہ کر رہے ہیں ۔۔۔" ہالینڈ نے کہا ۔۔۔ "بہتر ہو پہلے آپ رپورٹ مرتب کر لیں ۔۔۔" اسی وقت فون کی گھنٹی بجی ۔۔۔ ہالینڈ نے ریسیور اٹھا لیا ۔ "ہالینڈ ۔۔۔" اس نے کہا ۔۔۔ "نہیں ۔۔۔ میں اکیلا نہیں ہوں مسٹر ہارپر ۔۔۔ بورڈ آف ٹریڈ کے ۔۔۔ سلیڈ ۔۔۔ وزارت مواصلات کے اور ڈاکٹر گیرارڈ ۔۔۔ بی ۔ کریگ گروپ کے ۔۔۔" وہ کچھ دیر خاموشی سے سنتا رہا ۔۔۔ باقی لوگ اس کے ماتھے کی شکنوں کو گہرا ہوتے دیکھتے رہے۔ اور کہا اس نے فون رکھ دیا ۔ "تھینک یو ڈاکٹر گیرارڈ ۔۔۔ آپ نے زحمت کی ۔" اس نے اخلاقی انداز کرتے ہوئے کہا۔ گیرارڈ نے اس حکمت عملی کو سمجھ لیا ۔ "تو پھر اجازت ۔۔۔ میں جلد ہی رپورٹ آپ کو روانہ کر دوں گا ۔۔۔" اس نے باقی دونوں سے ہاتھ ملایا۔ جو گیرارڈ کے اس طرح رخصت کیے جانے پر کسی قدر شرمندہ تھے مگر گیرارڈ نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ فون خاصا اہم تھا جس کے پیغام کو وہ اس کے سامنے بحث کا موضوع بنانا نہیں چاہتے تھے ۔

"حضرات ۔ آپ دونوں تحقیقاتی کمیٹی کے رکن ہیں۔ دنیا کی صورت متعلق رازداری کے قانون کی ہر شق سے واقف ہیں۔ وزارت دفاع نے اطلاع دی ہے کہ ایک آبدوز ترائی ٹون ۔ اپنے عملے سمیت غائب ہے ۔۔۔ ہمیں فوری طور پر وہاں پہنچنا ہے ۔۔۔"

اپنی کرسمس کی ایک طوفانی رات میں ایمی میز طوں کے ترشے کا تماشہ دیکھتے ہوئے جو کچھ سوچ رہا تھا وہ وقت کسی اخبار کی سرخی نہیں بن سکتا تھا۔ سرکاری معاملات کی رازداری کے قانون کے مطابق

وہ تینوں فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ آدھے گھنٹے بعد ان کا رخ برطانیہ
کے ہیڈ کوارٹر کی طرف تھا۔ مال روڈ پر برطانیہ کے صدر دفتر سے بکنگھم
پیلس کو آنے والی سڑک پر اسی گز چلنے کے بعد اگر کوئی سڑک کے وسط
میں رک جائے تو اسے قطعی احساس نہ ہوگا کہ اس کے قدموں کے نیچے پچاس
فٹ کی گہرائی پر ایک ایسا کمرہ ہے جہاں قومی سلامتی کے اہم راز دفن ہیں اور
برطانیہ کے اعلیٰ حکام جو فیصلے اس کمرے میں بیٹھ کر کرتے ہیں وہ ساری دنیا
پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کمرے تک رسائی کی نسبت
بحرالکاہل کی انتہائی گہرائی کو چھونا یا کوہ ہمالہ کی بلند ترین چوٹی پر پہنچنا زیادہ
آسان ہے تو قطعی مبالغہ نہیں ہوگا۔ یہاں گنے چنے چند لوگ آتے ہیں
ان کے پاس مخصوص شناختی کارڈ ہوتے ہیں جنہیں ایک کمپیوٹر چیک
کرتا ہے اور جواب ہاں یا نہیں میں دیتا ہے۔ اگر اندر قدم رکھتے ہی برطانیہ
کے دفتر کا یہ مرحلہ طے ہو جائے تو ایک دیوار شق ہو جاتی ہے اور دو مسلح
افراد نظر آتے ہیں جو کنکریٹ کی راہداری میں آگے پیچھے چلتے ہیں اور لفٹ
تک پہنچا کے لوٹ جاتے ہیں۔ پوشیدہ کیمرے اس سارے منظر کو دیکھتے
ہیں اور لفٹ زمین کی گہرائی میں اترنے لگتی ہے۔ اس کا دروازہ براہ راست
آپریشن روم میں کھلتا ہے۔ سلیٹر، مائر اور ہالینڈ نے آخری بار اپنے خصوصی
شناختی کارڈ دکھائے اور چھوٹے کمرے سے گزر کر وسیع و عریض ہال میں
پہنچے جو انتہائی نفاست سے آراستہ اور روشن تھا۔

"بات یہ ہے کہ آبدوز نرالی لوزان سے ہمارا رابطہ منقطع ہو چکا ہے۔"
ایڈمرل نے کہا۔ "اب دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ غرق ہو چکی ہے۔۔۔
ہدایات کے مطابق اس نے ہمارا رابطہ منقطع کر لیا ہے۔ جیسا کہ انتہائی سنگین
حالات میں کیا جاتا ہے۔ مگر اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔"

"سنگین حالات۔۔۔؟" مائر نے پوچھا۔ "مثلاً کیسے۔۔۔؟"

"مجھے بھی نہیں معلوم۔ نظام ایسا ہے کہ ہر شخص اپنے شعبے
سے متعلق معلومات رکھتا ہے۔ پوری بات کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔ مقصد یہ
ہے کہ دشمن کسی ایک شخص سے صرف جزوی معلومات حاصل کر سکے۔
آبدوز کیپ ٹاؤن کے مشن کے بعد لوٹ رہی تھی تب انہوں نے مواصلاتی
اور مشینی نظام میں غیر متوقع خرابیوں کی اطلاع دی۔۔۔"

"غیر متوقع خرابیوں کی وضاحت ہو جائے تو بہتر ہے۔۔۔"
ہالینڈ نے کہا۔

"پہلی خرابی تو کنٹرول میں ہوئی۔۔۔ وہاں شارٹ سرکٹ ہو جانے
سے آگ لگ گئی۔۔۔ فوراً اس پر قابو پا لیا گیا۔ پھر مرکزی کنٹرول کمپیوٹر
میں گڑبڑ ہوئی۔۔۔ آخری پیغام سوائے چیخ و پکار کے کچھ نہ تھا۔ ہنگامہ
اور افراتفری۔ ٹوٹ پھوٹ اور دوڑ بھاگ۔۔۔ جیسے لوگ مدد کے لئے
پکار رہے ہوں۔ رفتہ رفتہ یہ آوازیں بند ہو گئیں اور اس کے بعد سے
اب تک خاموشی ہے۔۔۔"

ہالینڈ، سلیٹر اور مائر نے جیسے ملاح کے ایک سو تراسی افراد کے ڈوب
کر مرنے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ سمندر کی گہرائی میں کہیں وہ
دیوہیکل آبدوز کسی وہیل کی لاش کی طرح پڑی ہوگی جو برسوں کے تجربات
اور فنی مہارت کا مکمل ترین شاہکار تھی اور اس کے پیٹ میں ایک سو تراسی
افراد بیٹھے ہوئے۔ لیٹے ہوئے۔ دیواروں کے ساتھ ٹکے ہوئے۔ آلات پر
جھکے ہوئے کھلی آنکھوں میں جانکنی کا سارا کرب سمیٹے ہوں گے۔ ایک
آہنی قبر میں گرفتار پڑے ہوں گے اور آہستہ آہستہ ان کے جسم تحلیل ہو جائیں
گے۔ وردیاں پہنے، نشان اور تمغے سجائے ان کی ہڈیوں کے ڈھانچے
تاقیامت یونہی پڑے رہیں گے یا سال دو سال بعد اگر زمین کو لوٹے بھی
تو اس لئے کہ الگ الگ مٹی کے خانوں میں بند کر دیئے جائیں۔

"مسٹر ہالینڈ۔۔۔ آپ لندن ٹریفک کے حادثات۔ جیسے رود کے پوسٹ
ویٹیب میں سگنل فیل ہو جانے کے حادثات سے باخبر ہیں۔" ایڈمرل
نے کہا۔۔۔ "اسے بھی اپنی تفتیش کے دائرے میں شامل کر لیجئے۔۔۔"

"کسی سرکاری حکم کے بغیر۔۔۔" ہالینڈ نے کہا۔۔۔ "اور تفتیش کی
شہادت۔۔۔۔۔"

"اس وقت کابینہ کا ہنگامی اجلاس جاری ہے اور آپ اسے وزیر اعظم
کا حکم سمجھ لیجئے۔ تفتیش کے دوران آپ کو ہر قسم کی شہادت فراہم کی
جائے گی۔۔۔" ایڈمرل نے کہا۔

✕✕✕

پانچ سال گزر جانے کے بعد اینی پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ کریمر
سے شادی کر کے اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی حماقت کی ہے یہ
جو زندگی میں ایک بار ہر عورت کرتی ہے۔ پیار کرنے والوں کی طرح اینی نے
بھی پہلے سال کے اختتام پر جذبات کے تند نشے کا خمار اترتے محسوس کیا۔
شادی سے پہلے کریمر کی ذہانت اور زبردست شخصیت نے اسے مسحور کر دیا
تھا۔ وہ اس کے باپ کی طرح پرعزم، جسمانی طور پر مضبوط اور ناقابل
شکست قوت ارادی کا مالک تھا۔ ایک سال تک اینی اس کی محبت سے سرشار
اور خود انبساط کے جذبے سے معمور رہی۔ پھر حالات بدلنے لگے۔ آہستہ آہستہ۔
جب کریمر کینیڈا سے لوٹا تو اس کے رویے میں نمایاں فرق آ چکا تھا۔ جسے اینی نہ
سمجھ سکی۔ کریمر نے اپنی تجربہ گاہ کی بنیاد رکھی تو اینی نے پورے جوش و خروش
سے اس میں حصہ لیا۔ وہ کاغذات ٹائپ کرتی رہی۔ کافی بناتی رہی۔ ٹیلیفون
ریسیو کرتی رہی۔ اس وقت ان کا مطمح نظر سائنس کو انسانی فلاح کے عظیم تر مقصد
کے لئے استعمال کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ پھر کریمر کو دولت کی ہوس نے مغلوب
کر لیا۔ الیکٹرانکس کے بعد ڈیگروں کی ایجاد ہونے تک وہ دولت کے
سوا سب کچھ بھول گیا اور اس کی ساری توجہ اس ایجاد سے زیادہ سے زیادہ
منافع کمانے پر مرکوز ہو گئی۔ اینی تنہا رہ گئی۔ وہ رات گئے تک کام میں
مگن رہتا۔ بھول جاتا کہ اسے اینی کو شام کو تھیٹر لے جانا ہے۔ اینی کی سالگرہ
کی تقریب میں شرکت کرنی ہے یا اسے کوئی تحفہ دینا ہے۔ واپسی پر وہ
معذرت تک نہ کرتا اور بستر پر پڑ کر خراٹے لینے لگتا۔ وہ بستر پر پڑی کروٹیں

بدلتے رات گزار دیتی مگر کریمر سے شکوہ نہ کرتی کیونکہ اس کا ہمیشہ ایک ہی جواب ہوتا تھا۔ ڈارلنگ میرا کام میرے لئے سب سے زیادہ اہم ہے ــــ تقریبات میں تم بھی میری نمائندگی کرسکتی ہو ــــ جس رات بیٹ شو میں اس کا شاندار شو ہو گیا تھا وہ رات ایک بجے تک منتظر رہی کہ کریمر خود نہ آئے فون پر اس کی خیریت ہی پوچھ لے۔ گیرارڈ نے اسے ضرور بتادیا ہوگا۔ یوں بھی اس نے شام کو جلدی آنے اور تفریح کے لئے باہر جانے کا وعدہ کیا تھا مگر دو بج گئے اور رات کا سناٹا گہرا ہوتا گیا۔ شادی کی سالگرہ کی رات گزرتی گئی۔ سو گئی راستہ تک تک کے ہر اک راہگیر۔ وہ معطر شام کے لباس میں کرسی پر نیم دراز بیٹھی رہی۔ پھر ایک پرانے خیال نے سر اٹھایا۔ کریمر پہلے تو ایسا نہ تھا۔ کینیڈا سے یہاں آنے کے بعد ہی اچانک اس میں تبدیلی آئی تھی۔ یہ خیال اسے کترایا تھا کہ اس کے مداحوں کے خطوط کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے مگر گزشتہ دو برس میں رفتہ رفتہ خطوط کی تعداد کم ہوتے ہوتے صرف ایک رہ گئی تھی اور یہ ایک خط بڑی باقاعدگی سے آتا رہا۔ ایک عورت کا خط۔ وہ ایک دوسرے کے خطوط نہیں کھولتے تھے مگر اس خط کے بارے میں اس سے ضبط نہ ہوسکا اور اس نے کریمر سے پوچھ لیا۔ وہ دیر تک ہنستا رہا۔ مسکرکوئی بات نہیں کیمسٹری کی ایک پروفیسر ہے۔ بار دو میں میرے ساتھ تھی ــــ مگر اس کی تشفی نہ ہوئی۔ سرکاری اور کاروباری نوعیت کے خطوط دفتر میں آتے تھے اور کریمر گروپ کی سیکریٹری ساڈی انہیں کھولتی تھی۔ مگر پھر ان سب کے ذاتی خطوط آتے تھے پھر کریمر کے پاس کینیڈا سے آنے والے خطوط یورپ کے مختلف شہروں سے آنے لگے اپنی مخصوص ہینڈ رائٹنگ کے علاوہ مہر اور تاریخ کو بڑے غور سے دیکھتی تھی۔ اور اسی دن جب کریمر شادی کے پانچ سال پورے کرنے کی خوشی میں شام کو ایک اندونیشی ہوٹل میں کھانے اور اوپیرا ہاؤس میں جانے کا وعدہ کرکے رخصت ہوا تو اسی کو وہ خط ملا جس پر کیمبرج کی مہر تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ تو اب وہ انگلینڈ آپہنچی ہے۔ مگر اس نے وقتی طور پر خط کھول کر پڑھنے کی خواہش کو دبادیا۔ ایک خوبصورت شام کو برباد کرنے سے کیا حاصل اور خط کو اسٹڈی میں کریمر کی میز پر رکھ دیا۔ شام کو جب وہ بیٹ شو میں کریمر کی منتظر تھی اسے گیرارڈ ملا مگر اس نے کریمر کا کوئی پیغام نہیں دیا جب وہ اسے گھر چھوڑ کر چلا گیا تب بھی وہ اسی لباس میں بیٹھی رہی۔ بےارادہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اسے پھر وہ خط یاد آیا۔ اگر وہ بارہ بجے تک نہ آیا تو میں اسے کھول لونگی ــــ اس نے فیصلہ کیا ــــ مگر بارہ کے بجائے دو بج گئے بڑی ہمت کرکے وہ خط اٹھالائی اور دیر تک اسے الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی اور تکیے کے نیچے رکھ لیا۔ وہ اسے کھولتے ہوئے ڈرتی تھی۔ کہیں امید کی آخری کرن بھی نہ گم ہوجائے۔ نہ ہو کہ اس کے خدشات تحریری شکل میں اس کے سامنے آجائیں جنہیں وہ جھٹلا بھی نہ سکے خود کو دھوکہ دینے کے لئے اس کے پاس کچھ نہ رہے۔

بےبسی اور تنہائی کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد مایوسی کی جگہ انتقام کے

حضرت امام حسنؓ کا لنگر خانہ ہر وقت کھلا رہتا تھا اور نہایت عمدہ کھانوں سے مہمانوں کی تواضع ہوتی تھی جس سے لنگر کا خرچ بہت بڑھ گیا تھا۔ ان اخراجاتِ کثیر کو دیکھ کر ایک شخص نے آپؓ سے کہا "لاخیر فی الاسراف" (اسراف میں کوئی نیکی نہیں)

حضرت امام حسنؓ نے فی البدیہہ جواب دیا "لا اسراف فی الخیر" (نیکی میں کوئی اسراف نہیں)

عبد القدوس ہاشمی

جذبے نے لے لی۔ بالآخر اس نے خط کھول لیا۔ ایک طویل عشقیہ خط۔ گزشتہ دو سالوں کی یادوں اور واقعات کے ذکر سے پُر۔ بے تکلفی کا وہ رنگ جو پانچ سال کی طویل رفاقت کے باوجود ان کے تعلقات میں مفقود تھا۔ اپنائیت کا وہ انداز جو شادی کے صرف پہلے سال میں محسوس ہوا تھا۔ لکھنے والی کا نام شیرون۔ تھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ چونک پڑی جیسے کسی نے اسے چوری کرتے پکڑ لیا ہے اور غیر ارادی طور پر خط کو بلاؤز میں چھپا لیا صبح کے تین بجے تھے۔ "اینی ــــ" اس نے کریمر کی آواز سنی "میں شام کو گھر نہ پہنچ سکا۔ کام ذرا زیادہ تھا۔ گیرارڈ نے تمہیں گھر پہنچا دیا تھا"

"ہاں ــــ" وہ بڑی مشکل سے بولی۔ اس نے کوشش کی کہ کریمر کو اس کی آواز سے اس کے جذبات کا اندازہ نہ ہو۔ "سوری ڈیئر ــــ تم سو رہی تھی ــــ میں اس کانفرنس میں بری طرح پھنسا ہوا ہوں۔"

"کہاں ــــ؟ ــــ کیسی کانفرنس ــــ؟"

"کیمبرج میں ــــ تمہیں بتایا نہیں تھا میں نے ــــ؟" ــــ اس کا لہجہ صاف اس کے جھوٹ کی گواہی دیتا تھا۔

"نہیں ــــ مجھے تم نے کچھ نہیں بتایا ــــ" کریمر کے شب بخیر کہنے سے پہلے اس نے فون بند کردیا اور خط اٹھالیا ــــ "کل تمہیں دفتر میں فون کروں گی ــــ مجھے ابھی معلوم نہیں کہ کس ہوٹل میں جگہ ملے ــــ خط تو میں ایک کیفے سے لکھ رہی ہوں ــــ ابھی یہاں پہنچے دس منٹ بھی نہیں ہوئے۔" بات واضح ہوچکی تھی۔ اینی نے بڑا سکون محسوس کیا۔ یوں جیسے اس کے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا لفافے کے پیچھے اس نے پتہ دیکھا۔ ڈاکٹر شیرون گیرارڈ۔

"گیرارڈ ــــ؟" ــــ اس نے دماغ پر زور دیا۔ پھر جیسے دھند چھٹنے لگی۔ ہاں ــــ دو سال قبل کریمر کینیڈا گیا تھا۔ اور اس نے گیرارڈ کے گھر قیام کیا تھا۔ گیرارڈ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ بعد میں وہ

کریر کے ساتھ مل کر کام کرنے آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب بھی نہیں معلوم ۔ خط کو لفافے میں بند کرنے سے پہلے وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی۔ وہ خواب آور گولیاں کھا کر وہ بے ہوشی کی نیند میں کھو گئی۔ صبح نو بجے اس کی آنکھ کھلی تو رات کا واقعہ ایک بھیانک خواب بن کر پھر اس کے سامنے آگیا مگر وہ خوفزدہ تھی اور نہ نروس۔ ناشتے کے بعد وہ بالکل تازہ دم ہو گئی ہم دونوں ہی فریب خوردہ ہیں ۔ اس نے سوچا۔ ہم نے اس مشق میں کیا کھویا ہے کیا پایا ہے ۔ گیرارڈ کے سوا کون سمجھ سکتا ہے ۔ ہم پہ مشترکہ ہیں حسان عزالفت کے۔ اس نے فون اٹھایا اور مسز ڈیوس سے کہا کہ وہ گیرارڈ سے بات کرے گی ۔ مسٹر گیرارڈ ۔ ہلو ۔ میں اینی ہوں ۔ ہیں ۔ کل میں آپ کا میسج ٹھیک طرح سے ریلوا نہ کر سکی۔ شام کا کھانا آپ میرے ساتھ کھائیں تو عنایت ہو۔ نہیں۔ مسٹر کریر کیمبرج میں ہیں ۔ آپ کو نہیں معلوم ؟ ۔ خیر ۔ مس ڈیوس سنتی ہے تو سنا کرے ۔ اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔ اپنے آپ سے۔

رات کو جب گیرارڈ نے اسے دروازے پر چھوڑا تو ایک پرکیف شام کا خمار آہستہ آہستہ اترنے لگا۔ کشمن مرحلہ ابھی باقی تھا۔ مگر گھبرای طرح ویران پڑا تھا۔ کریر نہیں آیا تھا۔ اسے کیا ضرورت ہے آنے کی۔ کسی نے سرگوشی میں کہا ۔ کیا یہ خط پڑھ کر بھی تم خود فریبی میں مبتلا ہو۔ نہیں۔ خود فریبی نہیں ۔ امید ۔ کہ شاید یہ آخری شب ہو جو اسے اس قید خانے میں گذارنی پڑے ۔ وہ بے دلی سے کرسی پر نیم دراز ہو گئی۔ اگر وہ آجاتا تو فیصلہ ہو جاتا۔

ساڑھے گیارہ بجے رات کو کریر کا فون آیا۔ وہ پوری طرح بیدار تھی ۔ معاف کرنا اینی ۔ میں ایسا الجھ گیا ہوں کہ شاید آج بھی نہ آسکوں ۔ اس نے جذبات سے عاری آواز میں کہا۔

مجھے معلوم ہے ۔ اس نے کہا ۔ معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے ۔ ''

کام کی نوعیت ہی ایسی ہے ۔ تصور میں اس نے دیکھا کہ شیرون کیمبرج کے ایک ہوٹل میں اس کے ساتھ کھڑی ہے اور کریر مسکرا رہا ہے ۔ میں جانتی ہوں ۔ '' اس نے شب بخیر کے آخری الفاظ سنے مگر جواب دیئے بغیر فون رکھ دیا۔ اور آرام سے سو گئی۔ صبح پھر اس کی آنکھ کھلی تو نئے دن کے ساتھ نیا حوصلہ عود کر آیا تھا۔ اس کا دماغ پوری طرح صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار تھا۔ اس نے ناشتے سے فارغ ہو کر ایک مختصر سا خط لکھا۔

کریر ۔

میرا خیال ہے اب ہم میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی نہیں گذار سکتے تمہیں ایک بہتر بیوی کی تلاش ہے اور مجھے ایک بہتر شوہر کی۔ تم نے تو شاید دو سال قبل شیرون گیرارڈ کا انتخاب کر لیا تھا۔ مگر مجھے اور گیرارڈ کو اب اپنی تلاش کا آغاز کرنا ہے۔ ایک اعتبار سے وہ مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہے کہ اسے ابھی تک تمہارا انتخاب ہے مگر میں دو سال پہلے ہی حالات سے آگاہ ہو چکی تھی اور اب تک محض نباہ رہی تھی علیحدگی ہم دونوں کے مسائل حل کر دے گی:

اینی

خط کو لفافے میں بند کر کے اس نے نمایاں جگہ پر رکھ دیا۔ شیرون کے نام خط کے ساتھ اور ٹیکسی میں بیٹھ کر گیرارڈ سے ملنے روانہ ہو گئی۔

✵✵✵✵

ہولڈن۔ لندن کی زمین دوز ریلوے کا جنرل مینیجر سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے سلیپرز آخر میں اینی اور گیرارڈ۔ پلیٹ فارم سے اتر کر وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ ایک فرلانگ آگے تک سرنگ تاریک تھی مگر ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے روشنیاں جل اٹھیں۔ ''آپ لوگ ذرا محتاط رہیں۔ لائنوں میں کرنٹ ہے ۔'' ہولڈن نے پلٹ کر کہا ۔ اینی نے سہم کر گیرارڈ کا بازو تھام لیا۔ ''ڈرنے کی بات نہیں ۔ درمیان میں ارتھ کی لائن ہے۔ جب تک تم ان دونوں کو بیک وقت نہیں چھو لو گی۔ کرنٹ لگنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ بس گرنا مت ان کے اوپر ۔'' وہ سرنگ کے اندر سو گز تک گئے ہوں گے کہ سرنگ کے اندر ایک چوراہا سا آیا۔ دائیں جانب کبھی ایسی ہی سرنگ رہی ہوگی مگر اس کو اینٹوں سے اوپر تک بند کر دیا گیا تھا۔ مقابل کی دیوار میں جو سوراخ تھا وہ لوہے کے گیٹ سے بند تھا۔ اینٹوں کی بند سرنگ سے پرانی زنگ خوردہ لائن نئی لائن کو کاٹتی ہوئی سامنے والے دروازے کے نیچے سے اندر چلی گئی تھی۔ دھکیلنے سے دروازہ سرنگ کی دیواروں میں گھس گیا۔ اس کے اندر لکڑی کے تختے اور دوسرا بہت سا کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔

''یہ سرنگ پہلے استعمال ہوتی تھی'' ہولڈن نے کہا۔ اس کے دروازے میں کھڑے ہو کر وہ نئی سرنگ کو دائیں بائیں دور تک روشن دیکھ سکتے تھے۔ ہولڈن نے ٹارچ کی روشنی پرانی سرنگ کے اندر گھمائی پھر اوپر دیوار پر مرکوز کر دی۔ اسی وقت ریلوے لائن میں سنسناہٹ سی پیدا ہوئی۔ اینی کا رنگ اڑ گیا۔ ہولڈن مسکرایا: ''ڈرنے کی بات نہیں مس ۔ گاڑی نئی سرنگ میں ہے ۔ ابھی آپ کے سامنے سے گذرے گی'' تیس سیکنڈ بعد وہ پرانی سرنگ کے دروازے میں کھڑے گڑگڑاہٹ کے ساتھ روشنیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے سے اڑتے دیکھ رہے تھے گاڑی کے گذرتے ہی شور کم ہو گیا اور پھر پہلے جیسا سکوت طاری ہو گیا مگر دہشت زدہ اینی ابھی تک گیرارڈ سے چمٹی ہوئی تھی۔ اس نے آہستہ سے اینی کے شانے پر تھپکی دی۔ اینی الگ ہو گئی۔ گیرارڈ نے ٹارچ کی روشنی میں تانبے کے سرخ تار کو چمکتے دیکھا۔ اردگرد پلاسٹک کی تہہ پر دستور

بلبلے بن بن کر ٹوٹ رہے تھے۔ اس نے دستانے پہن کر ایک چمٹی سے تار کو ادھر ادھر دوبارہ دیکھا۔ ۔۔۔ کا پلاسٹک بھی نرم پڑ گیا تھا۔ اس میں سے سڑے ہوئے گوشت کی سی بو آ رہی تھی۔ گیرارڈ نے چمٹی سے کھینچ کر آسانی سے نرم پلاسٹک کے چند ٹکڑے توڑے اور ایک بوتل میں ڈال لئے ۔۔۔ دوسری بوتل میں اس نے اس تھیلے کے نمونے داخل کئے جس میں بلبلے سے اٹھ رہے تھے۔ تیسری میں اس نے فرش پر سے وہ پلاسٹک اٹھایا جو پگھل کر قطرہ قطرہ ٹپک چکا تھا۔ ۔۔۔ میں ۔۔۔ تم چیک کر رہے ہیں ۔۔۔ ہولڈن نے کہا۔ پتہ نہیں نقصان کہاں کہاں ہوا ہے۔

اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو تار شارٹ ہوتے رہیں گے ۔۔۔ سلیٹر نے پوچھا۔

اس کا جواب تو آپ کو دینا ہے ۔۔۔ ہولڈن نے کہا۔ سلیٹر نے گیرارڈ کی طرف دیکھا۔ گیرارڈ کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔ کاش وہ رات کی ذمہ داری قبول نہ کرتا۔ لیبارٹری ٹسٹ کے بغیر کوئی جواب دینا ذرا مشکل ہے اس نے ٹالتے ہوئے کہا۔ فوری طور پر تو کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔

اینی نے اس اثنا میں کیمرے سے بہت سے رنگین فوٹو اتار لئے تھے۔ وہ ایک ساتھ میں واپس چل پڑے۔ ان کے پیچھے ایک چھوٹا سا دھماکہ ہوا۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ کچھ نہیں۔ مگر ان کے پلٹنے سے پہلے اچانک سرنگ کی دیواریں لرزنے لگیں اور ایک زوردار دھماکہ ہوا اوپر سے سرنگ کا کنکریٹ ان پر گرا اور وہ ریلوے لائن پر جا پڑے۔ ریلوے لائن کی سنسناہٹ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ان کے پیروں پر کھڑے ہونے سے پہلے سرنگ میں دور تک دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سرنگ کے اندر بیلیوں کی طرح پھیلی ہوئی آہنی سلاخیں ٹیڑھی ہو گئیں۔ گرد میں انہیں کچھ نظر آیا مگر زمین کانپنے لگی تھی۔

کیا ہو گیرارڈ ۔۔۔ اینی نے لرزتے ہوئے پوچھا۔ اسی وقت دوسرا ایک اور دھماکہ ہوا۔ کوئی جواب دیئے بغیر اس نے اینی کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور باہر کی طرف دوڑا۔ ہولڈن اور سلیٹر ان سے چند قدم آگے تھے سرنگ کی روشنیاں اچانک بجھ گئیں۔ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ایک گاڑی ابھی ابھی آ کر رکی تھی۔ اور اس کی روشنی سیدھی ریلوے لائن پر پڑ رہی تھی انجن کی ایک آنکھ نے روشنی کی ایک لکیر سی بنا دی تھی۔ خطرے کی روشنی ہر لائن پر نظر آ رہی تھی اس کے لئے مشکل ہو رہا تھا مگر گیرارڈ کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت اسے مسلسل کھینچ رہی تھی۔ ایک دھماکہ ہوا کسی عورت نے چیخ ماری۔ دھماکے سے اسٹیشن کی عمارت بھی لرز اٹھی تھی۔ لوگ جلدی جلدی باہر نکلنے کی کوشش میں ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے۔ وہ ان دھماکوں سے دہشت زدہ ہو گئے تھے اور ایک دوسرے سے سوال کر رہے تھے لیکن ان کو جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ راستہ لمبا ہے کہ گاڑی کے بیچ میں سے گزر جائیں ۔۔۔ ہولڈن نے کہا اور انجن کا دروازہ کھول کر اوپر چڑھ گیا اس نے ہاتھ بڑھا کر اینی کو کھینچ لیا۔ ایک اور دھماکہ ہوا جس نے پوری گاڑی کو ہلا دیا

اس کے ساتھ ہی ہوا کا زبردست جھونکا آیا۔ ہولڈن نے انجن اور دوسرے ڈبے کا دریائی زرد زرد دھواں ہی تھا کہ جیسے دن نکل آیا۔ ہر چیز روشن ہو گئی۔ اندھیرے کا وجود نہ رہا۔ ان کے سامنے اسٹیشن کی عمارت اور پلیٹ فارم پر کھڑی ہوئی گاڑی میں آگ لگ گئی۔ ہولڈن نے دوسرے ڈبے کے دروازے سے چھلانگ لگائی۔ اس کے پیچھے گیرارڈ اور اینی ایک دوسرے پر گرے۔ انہوں نے آگ میں جلتے ہوئے بے بس مسافروں کی چیخ پکار سنی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو جلتے ہوؤں کے قدموں کے نیچے گر کر کچلتے اور پھر اٹھنے کی ناکام کوشش کرتے دیکھا۔ لوگ شیشے توڑ رہے تھے۔ کھڑکیوں سے کود رہے تھے اور شعلے ان کے جسموں کو چاٹ رہے تھے عورتیں بے ہوش پڑی تھیں۔ ٹرین کی لکڑی شعلوں میں چٹخ رہی تھی اور شیشہ پگھل گیا تھا۔ جو جل گئے تھے ان کے جسم کوئلہ بن کر کھڑکیوں اور دروازوں سے لٹک رہے تھے۔ پلیٹ فارم پر آدھے تڑپتے پڑے تھے۔ جو جل رہے تھے وہ دیوانہ وار بھاگ رہے تھے لوٹ رہے تھے چلا رہے تھے۔ تڑپنے والے جسم ساکت ہوتے جا رہے تھے۔ گوشت جلنے کی بو دھوئیں کے ساتھ دور دور تک پھیل رہی تھی۔ گیرارڈ نے اس سے زیادہ دہشت انگیز منظر اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اینی کو گیرارڈ نے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ ہوش میں رہنا ۔۔۔ سنا ۔۔۔ اس نے اینی کے گال تھپکتے ہوئے کہا۔ اینی نے سر ہلایا تپش سے اس کے جسم میں سوئیاں سی چبھ رہی تھیں۔ گیرارڈ نے ایک شخص کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی جو دیوانہ وار بھاگ رہا تھا مگر گیرارڈ کے ہاتھوں میں اس کا جلا ہوا گوشت رہ گیا۔ وہ اوندھے منہ گر پڑا دوسرا شخص موت سے بچنے کے لئے ایک دائرے میں دوڑ رہا تھا۔ اور اس کے کپڑے دھڑا دھڑ جل رہے تھے۔ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے وہ الاؤ کی طرح بھڑکتے ڈبے میں گھس گیا۔ ایک معمر شخص کے ہاتھ میں پیرافین کا بیگ تھا۔ وہ اچانک پھٹ گیا اور اس نے بوڑھے کے جسم کو خاکستر کر دیا ایک عورت جان بچانے کے لئے بھاگی اور ریلوے لائن پر جا گری ایک شعلہ سا لپکا اور اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ اینی کے ساتھ ایک اور لڑکی آ کر کھڑی ہو گئی۔ دیوار کا سہارا لئے۔ پھر وہ وہیں بیٹھ گئی اینی نے بھی بیٹھ جانا مناسب سمجھا اور اپنا سر گھٹنوں میں دے لیا۔ اسٹیشن ماسٹر بے بسی سے انجن کے دروازے میں کھڑا تھا۔

باہر نکلنے کا کوئی اور راستہ نہیں۔ ہولڈن نے چیخ کر کہا اس کے مخاطب کا نشانہ اسٹیشن ماسٹر تھا اسٹیشن ماسٹر نے لکڑی کی سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے پیچھے سے سر اس نے پھولی ہوئی سانسوں میں کہا: یہاں سے گزرنا ناممکن ہے ۔۔۔ ہولڈن نے نفی میں گردن ہلائی۔ سیڑھیاں جل اٹھیں تو ہم وہیں کوئلہ بن جائیں گے۔

محفوظ ترین راستہ وہی ہے جس پر ہم چل کر آئے ہیں ۔۔۔ سلیٹر نے کہا۔ گیرارڈ نے اتفاق کیا۔ اسٹیشن ماسٹر ابھی تک گومگو کی کیفیت میں

تھا: اگلا اسٹیشن آدھے میل کے فاصلے پر ہے۔ مگر انہوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور چلتے رہے۔ اب اس کے ساتھ دو۔ نی لڑکی اس بات پر بیٹھی رہی۔ ایک طویل قامت شخص اس کے پاس گھٹنوں کے بل جھک کر آہستہ کچھ پوچھ رہا تھا۔ ہنڈبری "۔ کم آن گرل ۔۔ " ہیوبرٹ اس کی مدد کی اور لڑکی کو اٹھالیا۔ ان کا مختصر سا قافلہ سرنگ کی طرف چلنے لگا۔ رفتہ رفتہ وہ آگ کی تپش سے دور ہوتے گئے۔ بالآخر وہ اسی پرانی سرنگ میں جا پہنچے ۔۔ "ادھر ڈھلان ہے ۔۔ گاڑی تو نہیں چل پڑے گی ۔۔ " ہولڈن نے پوچھا۔

"نہیں ۔۔" اسٹیشن ماسٹر نے کہا ۔۔ "بریک اسے روکے رہیں گے ۔۔" اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔

"پچھلے اسٹیشن سے کوئی اور گاڑی؟ ۔۔" جیرارڈ نے پوچھا۔

"نہیں ۔۔" ہولڈن نے جواب دیا۔ "لائن میں کرنٹ نہیں ہے ۔۔" طویل قامت شخص بظاہر معزز اور باوقار نظر آتا تھا۔ اس نے سلیڈ اور جیرارڈ سے ہاتھ ملایا ۔۔ "میرا نام پرائس ہے ۔۔" اس طرح جیسے وہ کہہ رہا ہو "میرا نام جبرئیل ہے ۔۔" ۔۔ مگر وہ کسی پرائس کو نہیں جانتے تھے اور یہ تعارف کا موقع بھی نہ تھا۔ "تمہیں معلوم ہے یہ ہنگامہ کیسے شروع ہوا ۔۔" پرائس نے تحکمانہ انداز میں کہا ۔۔ "نہیں ۔۔ اگر آپ کو معلوم ہے تو ہمیں بتلایئے" سلیڈ نے چڑ کر کہا ۔۔ "آپ لوگ یہاں ٹھہریں۔ ہم آگے جاکر دیکھتے ہیں" ہولڈن نے کہا۔ سلیڈ اس کے پیچھے روانہ ہوگیا۔

❋❋❋

لندن کا پرانا شہر زمین کے اوپر اور نیچے اس طرح پھیل گیا ہے کہ اس کے پرانے باسی بھی نہیں جانتے کہ کون سا راستہ کہاں جاتا ہے۔ وہ انہی راستوں کے بارے میں جانتے ہیں جو ان کی روزمرہ زندگی میں کوئی دخل رکھتے ہیں۔ دفتر، اسکول اور بازار کا راستہ، کلب، ریستوران اور تھیٹر کے راستے۔ بکنگھم پیلس اور ٹمبرز میں ڈاؤننگ اسٹریٹ کے راستے کنگ کراس کا بڑا ٹرین ریلوے اسٹیشن ایک ایسی جگہ پر واقع ہے جہاں چھ اہم سڑکیں ملتی ہیں اور ان پر چوبیس گھنٹے ٹریفک چلتی ہے۔ اسٹیشن پر آنے جانے والی گاڑیوں سے جو مسافر اترتے ہیں وہ ہر وقت فٹ پاتھوں پر چلتے سڑک پار کرتے نظر آتے ہیں۔ نیچے زمین دوز ریلوے کی سرنگوں کا ایسا پیچیدہ نظام ہے جس میں پانچ مختلف راستوں پر چلنے والی گاڑیاں ہر وقت دوڑتی رہتی ہیں ان کے راستے کہیں ایک دوسرے کے متوازی ہو جاتے ہیں اور درمیان میں چند فٹ کی دیوار حائل رہ جاتی کہیں ایک دوسرے کے اوپر یا نیچے سے گزر جاتے ہیں اور کہیں مل جاتے ہیں۔ کسی ایک گاڑی میں سفر کرنے والے نہیں جانتے کہ چند فٹ اوپر نیچے یا ان کے دائیں بائیں کون شخص کس سمت میں سفر کر رہا ہے۔ دن اور رات میں شاید دو گھنٹے ایسے ہوتے ہیں جب ٹریفک میں تھوڑی سی کمی ہو جاتی ہے۔ رات کے ڈیڑھ بجے سے صبح کے ساڑھے تین بجے کے درمیان جب گاڑیوں کی دیکھ بھال کرنے والا اور صفائی پر مامور عملہ مصروف کار ہوتا ہے زیر زمین ریلوے کے پانچ مختلف راستے الگ الگ کمپنیوں کی ملکیت ہیں اور ہر ایک مختلف انداز میں بنایا گیا ہے۔

انہیں سرنگوں کے ساتھ زمین کی سطح کے نیچے اور بھی بہت سے راستے ہیں۔ گیس اور پانی کی لائنیں، گندے پانی کی نکاسی کے راستے، ٹیلیفون اور بجلی کے تاروں کے پائپ۔ مختلف قطر کے جن کا سلسلہ پورے لندن کی آبادی کے نیچے جال کی طرح بچھا ہوا ہے۔ یہ نظام جس شہر کی ضرورت پوری کرنے کے لئے بنایا گیا تھا وہ کتنا پھیل چکا ہے مگر زمین کے نیچے گھر گھر گیس اور پانی پہنچانے والی اور گندے پانی کو شہر سے باہر لے جانے والی سرنگ نما پائپ لائنیں وہی ہیں۔ زمین پر سیمنٹ کنکریٹ اور اینٹوں سے بنی ہوئی عمارتوں کے وجود میں آنے سے پہلے شمالی پہاڑوں سے آنے والی چھوٹی چھوٹی ندیاں کسی رکاوٹ کے بغیر دریائے ٹیمس میں مل جاتی تھیں۔ انسان نے ان کے راستے روک دیئے اور ان کا رخ بدل کر سرنگوں میں قید کر دیا۔ ایسی ہی ایک بارہ فٹ قطر کی سرنگ کنگ کراس اسٹیشن کے قریب سے گزرتی ہے۔ اس کے متوازی دو فٹ قطر کی دو الگ الگ گیس پائپ لائنز ہیں جو سو سال سے بھی زیادہ پرانی ہیں ۔ ۱۸۴۲ء میں تعمیر ہونے والی گندے پانی کی نکاسی کے راستے کو عبور کرتے کاٹتے آگے بڑھتی ہیں ۔ اور یہ سب نالیاں سرنگیں اور پائپ لائنیں گھومتی چکر کاٹتی شہر کے گوشے گوشے میں پہنچ جاتی ہیں۔ اوپر چلنے والے نہیں جانتے کہ ان کے قدموں کے نیچے کیا ہے ان کی ذرا سی خرابی کیا کیا تباہی لا سکتی ہے۔

چند ہفتے قبل پانی کا ایک قطرہ گندے پانی کی نکاسی کے راستے میں کسی درز سے گزر کر ایک زیر زمین ریلوے کی سرنگ میں داخل ہوا۔ سرنگ کی دیواروں کے ساتھ ساتھ پلاسٹک کی موٹی تہہ والا بجلی کا تار تھا اس پلاسٹک کے اندر ربر چڑھے ہوئے بہت سے پتلے پتلے تار تھے۔ گندے پانی میں ایک ایسا کیمیائی عنصر شامل تھا جس نے پلاسٹک کو گلانا شروع کیا۔ اس کے باوجود اندر کے ربر چڑھے ہوئے تار آپس میں نہیں ملے اور ریلوے سگنل کا یہ اصلاتی نظام کام کرتا رہا۔ پلاسٹک کے گلنے سڑنے سے ایک گیس پیدا ہوئی جو آہستہ آہستہ سرنگ کے اندر جمع ہوتی گئی۔ دو تار جو ایک دوسرے کے بہت قریب تھے پلاسٹک کی تہہ اتر جانے کے بعد کسی فوری خطرے کا سبب نہیں بن سکتے تھے لیکن جب پانی رس کر ان دونوں کے درمیان حائل سرنگ کی سطح کو گیلا کرنے لگا تو نمی نے وہی کام کیا جو ان دونوں کو ملانے والا کوئی تار کر سکتا تھا۔ ایک شعلہ سا لپکا اور سرنگ کی سطح کے ساتھ ساتھ بہہ کر جلنے لگا۔ گیس پہلے سے موجود تھی ایک چھوٹا سا دھماکا ہوا مگر آگ سے زیادہ یہ دھماکا تباہ کن ثابت ہوا۔ اس نے گیس پائپ لائن اور سرنگ کے درمیان تیس انچ کی دیوار میں شگاف ڈال دیا۔ گیس جو بڑے دباؤ کے ساتھ لائن سے گزر رہی تھی آہستہ آہستہ سرنگ میں داخل ہونے لگی۔

اس سے مزید دھماکے ہوئے۔ سرنگ کے اوپر دوسری سرنگ تھی جس میں سے ایک شنلف راستے پر چلنے والی گاڑی گزرتی تھی۔ گیس کی چوبیس انچ قطر والی لائن دونوں سرنگوں کے درمیان تھی۔ آگ گیس لائن کے اندر پہنچی تو لائن زبردست دھماکے سے پھٹ گئی اور اوپر کی سرنگ کا ملبہ نیچے آگرا۔ آگ گیس لائن میں آگے پھیلتی گئی ریلوے اسٹیشن کے نیچے پلیٹ فارم اور کھڑی ہوئی گاڑی کے درمیان ایک اور جگہ سے لائن پھٹی تو ٹرین اور اسٹیشن کی عمارت میں شعلے بھڑک اٹھے۔ پہلے دھماکے نے گیرلڈ اور اس کے ساتھیوں کے قدم اکھاڑ دیئے تھے۔ دوسرے دھماکے کی تباہ کاری کا نظارہ انہوں نے چند منٹ بعد کیا۔ گیس لائن کی آگ نے کنگ کراس اسٹیشن کے باہر ایک فٹ پاتھ کے نیچے سیفٹی والو کے جام ہوجانے سے زمین کو پھاڑ دیا۔ اور آگ کے شعلے پانی کی دھار کی طرح ابلنے لگے۔ فٹ پاتھ پر چلنے والے بہت سے راہ گیر جھلس گئے یا جل کر خاک ہوگئے۔ دور کھڑے ہوئے لوگ آگ کے اس فوارے کو دیکھتے رہے پھر ایمبولینس کاروں کے سائرن گونجنے لگے — فائر مین راستوں کو بند کرنے لگے۔ پولیس مین ہجوم کو منتشر کرنے لگے اور پریس کے نمائندے کیمرے آنکھوں سے لگائے پیچھے ہٹنے لگے۔

○○○○○○○○○

دھواں آہستہ آہستہ سرنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسٹیشن ماسٹر اور وینڈی دونوں کا حال زیادہ خراب تھا۔ ہولڈن اور سلیڈر کا کہیں پتہ نہ تھا انہیں گئے ہوئے آدھا گھنٹہ ہوگیا تھا۔ "میرا خیال ہے ہمیں آگے چلنا چاہئے۔ اگر ہم اس سرنگ میں رکے رہے تو دم گھٹ کر مر جائیں گے۔" گیرلڈ نے کہا — پرائس نے سر کی جنبش سے رضامندی کا اظہار کیا اینی نے وینڈی کو تھام لیا اور پرائس نے اسٹیشن ماسٹر کو۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے — ٹارچ گیرلڈ کے ہاتھ میں تھی۔ "گیرلڈ — اگر گاڑی کے بریک فیل ہوگئے تو اسے کون روکے گا —" اینی نے کہا۔

"اس سرنگ میں دو جگہ دیوار میں گہرے شگاف ہیں۔ یقین تھا" گیرلڈ نے جواب دیا۔ "وہیں پناہ لینی پڑے گی۔"

"تمہیں معلوم ہے وہ کہاں ہیں —؟" — اینی نے پوچھا۔ گیرلڈ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے باوجود ہولڈن اور سلیڈر کا کہیں سراغ نہ تھا۔ شاید وہ اگلے اسٹیشن تک جا پہنچے۔ گیرلڈ نے سوچا — روشنی کا دائرہ محدود سی جگہ تک پڑ رہا تھا۔ اچانک اس دائرے میں انہوں نے سلیڈر کو پڑا دیکھا۔ گیرلڈ فوراً بیٹھ گیا — بظاہر یوں لگتا تھا کہ وہ مرچکا ہے مگر گیرلڈ نے جھک کر اس کے سینے پر سر رکھا نبض کو دیکھا اور تیزی سے مصنوعی تنفس کا طریقہ آزمانے لگا چند منٹ بعد اس میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے — اس کا سانس معمول پر آگیا۔ "راستہ.... آگے سے.... بند ہے...." اس نے کہا۔

"ہولڈن کہاں ہے —" گیرلڈ نے پوچھا —

"اس نے گزرنے کی کوشش کی تھی.... مجھے نہیں معلوم...." سلیڈر نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔ گیرلڈ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں دیکھ کر آتا ہوں —" پرائس اس کے ساتھ ہولیا۔ ٹارچ کی روشنی میں انہوں نے ذرا آگے ملبے کا ڈھیر دیکھا جس نے راستے کو تقریباً بند کر دیا تھا۔ "ہم کتنی گہرائی میں ہیں —" پرائس نے پوچھا۔ "ساٹھ فٹ کی —" گیرلڈ نے جواب دیا۔ "ہولڈن نے بتایا تھا کہ اس کے اوپر ایک اور ریلوے لائن ہے۔"

"دھماکا اسی میں ہوا ہوگا —" پرائس نے کہا — گیرلڈ رفتہ رفتہ انہیں سانس لینے میں دقت پیش آرہی تھی۔ اوپر سے پانی بھی ٹپک رہا تھا پرائس نے جیب سے ماچس نکال کر جلائی — "اسے یہیں ہونا چاہئے۔"

"یو فول —" گیرلڈ اس پر جھپٹا — "یہاں گیس ہے —" مگر تیلی اس سے قبل ہی بجھ گئی تھی۔ "ہاں —" پرائس نے سر ہلایا۔ "کاربن ڈائی آکسائڈ —!"

ملبے کے ڈھیر کے اوپر چھت میں شگاف تھا اور اس شگاف سے ہولڈن کا آدھا دھڑ لٹکا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں — "میں اسے لے کر آتا ہوں —" گیرلڈ نے کہا مگر اچانک اسے چکر سا آگیا اس نے چند قدم آگے بڑھائے اور ملبے کے ڈھیر پر چڑھ کر ہولڈن کو کھینچنے کی کوشش کی لیکن اس کے جسم کی طاقت جیسے ختم ہوتی جارہی تھی۔ وہ گر پڑا — پرائس نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ "واپس چلو —" گیرلڈ نے جھولتے ہوئے کہا — "چلو نہیں تو ہم بھی مارے جائیں گے —" وہ لڑکھڑاتے گرتے واپس ہوئے۔ پچاس گز دور آکر تازہ ہوا کے ایک جھونکے نے انہیں سنبھال لیا۔ وہ واپس پہنچے تو باقی لوگ اسی طرح سرنگ میں بیٹھے تھے۔ دھواں اندر داخل ہو رہا تھا۔ اور ہوا گرم ہوتی جارہی تھی انہوں نے دروازے کو گھسیٹ کر بند کر دیا اور ہانپنے لگے۔ ان کی نگاہ ایک اجنبی صورت پر پڑی۔ ایک نوجوان جو گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا — "یہ میرا سیکریٹری ہے ہارڈی —" پرائس نے کہا — "جہنم میں جائے یہ بھی اور تم بھی —" سلیڈر نے دل ہی دل میں کہا — "یہ کونسا موقع ہے تعارف کا —" مگر وہ سر ہلا کر چپ ہوگیا۔

"یہ سرنگ آگے کہاں تک جاتی ہے —؟" پرائس کے اس سوال کا جواب ہولڈن دے سکتا تھا جو مرچکا تھا یا اسٹیشن ماسٹر جو بے ہوش تھا۔ سرنگ آگے تنگ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی — "ہا —" گیرلڈ نے چلا کر کہا اور غور سے اپنی آواز کی بازگشت سنی۔ پھر سلیڈر نے دونوں انگلیاں منہ میں ڈال کر زور سے سیٹی بجائی اور وہ دونوں غور سے سننے لگے۔ پرائس اور ہارڈی انہیں یوں دیکھتے رہے جیسے وہ پاگل ہوگئے ہیں — سلیڈر نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "سوائے اس کے چارہ نہیں کہ ہم خود آگے جاکر دیکھیں —" گیرلڈ نے کہا۔ دو زنگ خوردہ ریلوے لائن پر ٹارچ کی روشنی میں راستہ دیکھتے آگے بڑھتے گئے — سرنگ میں وہ سامان بھرا پڑا تھا جو نئی ریلوے لائن کی

دیکھا جا سکا اور مرمت میں استعمال ہوتا تھا یہ سرنگ کے دو حصے ہو گئے ایک دستا بائیں جانب تھا جو کہ ریلوے لائن کے متوازی تھا۔ اس میں ریلوے لائن نہیں تھی اور یہ پرانی لائن کا اسٹور رہا ہو گا۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے گئے حرارت میں اضافہ ہونے لگا پھر ایک دیوار آ گئی۔ وہ واپس ہوئے تو ان کے کپڑے ان کے جسم سے چپک گئے تھے اب وہ سرنگ کے دوسرے راستے پر چل پڑے جو تھوڑا سا گھوم کر دائیں جانب جاتا تھا جہاں یہ راستہ ختم ہوا وہاں ایک سوراخ تھا کنویں کی طرح اور لوہے کی ایک سیڑھی نیچے جا رہی تھی وہ دونوں نیچے اتر گئے۔ ٹارچ کی روشنی میں انہوں نے ایک وسیع ہال دیکھا جہاں لکڑی کے سلیپر اور دوسرا بہت سا سامان پڑا تھا۔ بہیں لگی ہوئی تھیں اور ادھر پڑے تھے۔ یہاں کی ہوا نسبتاً ٹھنڈی تھی۔

"سب کو یہاں لے آتے ہیں — وہاں بیٹھے رہنے کے مقابلے میں بہتر ہے اور آکسیجن کم ہے۔" گیرارڈ نے کہا — سلیٹر نے سر ہلایا۔ وہ اسی راستے سے واپس لوٹے جس پر چل کر آئے تھے۔ سلیٹر نے بے ہوش اسٹیشن ماسٹر کو کندھے پر ڈالا۔ پرائس اور ہارڈی نے مل کر وینڈی کو اٹھا لیا۔ گیرارڈ اور رانی ان کے آگے آگے ٹارچ کی روشنی میں راستہ دکھاتے چلنے لگے۔ ریلوے لائن سیدھی چلی گئی تھی۔ وہ دائیں طرف مڑ گئے۔ گول سوراخ پر پہنچ کر گیرارڈ نے سیڑھی کے سامنے جگہ سنبھال لی۔ "تم دونوں پہلے چلو۔" گیرارڈ نے ہارڈی اور پرائس سے کہا۔ "ٹارچ مجھے دے دو۔" پرائس نے حکم دیتے ہوئے کہا۔ "میں روشنی ڈال رہا ہوں —" گیرارڈ نے کہا — پرائس نے طیش میں اس پر ایک نگاہ ڈالی مگر سلیٹر بھی اسٹیشن ماسٹر کو نیچے ڈال کر اسے گھور رہا تھا۔ وہ نیچے اترنے لگا۔ اس کے بعد سلیٹر نے اسٹیشن ماسٹر کو گھسیٹا اور کندھے پر ڈال کر نیچے اتر گیا۔ اس کے بعد ہارڈی اور رانی اترے۔ آخر میں گیرارڈ بھی نیچے پہنچ گیا۔ وینڈی اور اسٹیشن ماسٹر کو انہوں نے بنچ پر لٹا دیا۔

اب انہوں نے اس ہال کا جائزہ لیا روشنی کا دائرہ گھومتا گیا۔ لکڑی کے تختے۔ بنچ۔ لوہے کی سلاخیں۔ بیلچے۔ دو ڈرم۔ ربر کے لمبے پائپ — گیرارڈ نے روشنی میں غور سے دیکھا۔ "ویلڈنگ سیٹ" سلیٹر نے کہا "ایک چائے دانی۔ دو مگ۔ چائے کا پیکٹ۔" رانی نے اسے چھو کر دیکھا وہ گرم تھی۔ "ابھی ابھی کوئی یہاں سے گیا ہے۔" اس نے کہا گیرارڈ سے کہا — "کوئی راستہ ضرور ہو گا۔" روشنی اور آگے بڑھی۔ ایک فولادی دروازہ نظر آیا — سلیٹر نے اسے کھولنے کی کوشش کی مگر وہ مضبوطی سے بند تھا۔ "تالا لگا ہوا ہے —" پرائس نے کہا۔ گیرارڈ نے ٹارچ کو گھمایا روشنی پانی کے ایک چھوٹے سے تالاب پر پڑی۔ پانی کی سطح سے ذرا اوپر پرانے تار لٹک رہے تھے اور ان کے پیچھے لوہے کا ایک اور بند دروازہ تھا۔ لیکن جگہ جگہ سے کٹے ہوئے تھے اور چند ایک پانی کی سطح کو تقریباً چھو رہے تھے "ہم ادھر سے بھی جا سکتے ہیں —" ہارڈی نے کہا —

"تاروں کے اس جال سے گزر کر — ؟ — ناممکن ہے۔" سلیٹر نے کہا۔ "اور وہ دروازہ بھی کسی طرح بند ہے — "

"روشنیاں تو ساری بند ہیں —" پرائس نے کہا — "کرنٹ کہاں سے آیا؟"

"ممکن ہے بند کی گئی ہوں — اور یہ ضروری نہیں کہ انہوں کا تعلق ان تاروں سے ہو۔" گیرارڈ نے کہا۔ کونے میں روشنی کا دائرہ ایک سوئچ بورڈ پر پڑا — "میں اسے کھول کر دیکھتا ہوں —" سلیٹر نے کہا۔ بکس کے اندر ایک پلاسٹک کے گول دستے والا ہینڈل تھا سلیٹر نے اسے کھینچا۔ کمرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ایک بنچ پر بیٹھ گئے — سلیٹر کی نگاہ ویلڈنگ سیٹ پر تھی۔ گیرارڈ دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ مگر دونوں ایک ہی بات سوچ رہے تھے "دروازہ کاٹا جا سکتا ہے —" گیرارڈ نے جواب دیا۔

"یہی ایک صورت ہے —" سلیٹر نے کہا — "تار کو کاٹ دیا جائے۔" گیرارڈ نے تائید میں سر ہلایا۔

"دروازہ چھ انچ موٹا ہو گا — تم اسے کبھی نہیں کاٹ سکتے —" پرائس نے کہا۔

"تم سے کسی نے نہیں پوچھا۔" سلیٹر نے اسے اچانک دھکیل کر دیوار سے لگا دیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں: "اگر تم کچھ کر نہیں سکتے تو دوسروں کو کرنے دو — بھونکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" پرائس نے اس پر وار کرنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ گیرارڈ ان کے درمیان میں حائل ہو گیا۔ وہ پھر بنچ پر آ بیٹھے۔ پرائس نے جیب سے برانڈی کی ایک بوتل نکالی اور ایک گھونٹ لے کر آگے بڑھا دی۔ سلیٹر گیرارڈ اور ہارڈی نے بھی ایک ایک گھونٹ لیا۔ چند منٹ میں ان کا جسم گرم ہو گیا۔ ان کے تھکے ہوئے اعصاب معمول پر آ گئے اور وہ بے تکلفی سے گفتگو کرنے لگے۔ پرائس بلڈوزر بنانے والی ایک فیکٹری کا مالک تھا۔ اس کا سکریٹری اور بارکٹ ریسرچ انجینئر ہارڈی کینیڈا کا رہنے والا اور غالباً پرائس کی بیٹی وینڈی کا چاہنے والا تھا۔ سلیٹر نے سگریٹ نکال کر سب کو دی۔

سب سے پہلے سلیٹر اٹھا اور اس نے ویلڈنگ ٹارچ اٹھا لی جس میں ربر کی دو نلکیاں آ کر مل گئی تھیں۔ "پتہ نہیں گیس کا دباؤ کتنا ہے —" گیرارڈ نے کہا — "سب لوگ پیچھے ہٹ جائیں —" ان دونوں کے سوا سب پیچھے ہو گئے۔ "ابھی کافی ہے —" سلیٹر نے کمپریسڈ ڈائل کو دیکھا — "لیکن کام لمبا ہے — خیر دیکھی جائے گی —" اور پیتل کی نلکی پر نوک سے ذرا نیچے والو کو کھول دیا۔ سگریٹ کے ساتھ چھوتے ہی پٹاخے کی آواز کے ساتھ نیلا شعلہ پیدا ہوا سلیٹر کو دروازے کے قریب چھوڑ کر گیرارڈ واپس آیا تو اسٹیشن ماسٹر بنچ پر سیدھا بیٹھا تھا۔ وہ حیرانی سے دیکھنے لگا۔ اس کے سامنے ایک اخبار تھا اور وہ معمہ

بھر رہا تھا۔ گیرارڈ نے سیڑھیاں چڑھ کر پرانی سرنگ کے دروازے تک جانے کی کوشش کی مگر حرارت زیادہ بڑھ چکی تھی۔ دور باہر سے لکڑیوں کے جلنے اور چٹخنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ لوہے کا دروازہ تپ رہا تھا۔ ادھر سے باہر نکلنا اب ناممکن تھا۔ غالباً جلتی ہوئی گاڑی سرنگ میں داخل ہو گئی تھی۔

جب وہ واپس آیا تو پسینے میں شرابور سلیڈ نے دروازے میں صرف ایک انچ چوڑا سوراخ کیا تھا اور اسے تالے کے گرد کم سے کم پونے پانچ چادر کو کاٹنا تھا۔ "بڑا مشکل کام ہے۔" اس نے آستین سے آنکھوں میں آنے والے پسینے کے قطرات کو صاف کیا اور پھر ہتھوڑا اٹھا کر کام میں مصروف ہو گیا۔ "اب ہم واپس بھی نہیں جا سکتے۔" گیرارڈ نے کہا۔ "شاید آگ اس لوہے کے دروازے کو بھی پگھلا دے۔"

اینی کو بڑی تلاش کے بعد ایک ڈبے سے بسکٹ کے چند پیکٹ ملے تھے جنہیں وہ سب کے لئے برابر برابر تقسیم کر رہی تھی۔ پرائس قمیص اتارے بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔ "شیر لوہے کے جال میں ہے۔" اینی نے کہا۔ "ادھر بنچ پر آ بیٹھو۔" "یہ اُلو کا پٹھا اپنی زبان بند رکھے اور آرام سے بیٹھ جائے تو بہتر ہے۔ اس طرح آکسیجن زیادہ خرچ ہوتی ہے۔" گیرارڈ نے کہا۔

"تم تھک گئے ہو تو لیٹ جاؤ۔" وہ اینی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ ان ناساعد حالات میں بھی اس کی گود کی نرم راحت بخش حرارت اس کے جسم کی مہک اور گھنے بالوں کا سایہ اسے سپنوں کی دنیا میں لے گیا۔ اس نے اینی کے سرخ لبوں اور سیاہ آنکھوں کو اپنے اوپر جھکتے دیکھا اور اینی کی انگلیوں کو اپنے بالوں میں کنگھی کی طرح چلتے محسوس کیا۔

نہ جانے وہ کتنی دیر سوتا رہا۔ پھر ایک چیخ نے اسے بیدار کیا۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھا اور اینی کے زرد چہرے کو دیکھا۔ "نہیں — یہ آواز وینڈی کی تھی۔" اینی نے ہاتھ سے تالاب کی طرف اشارہ کیا۔ ذرا دور سلیڈ ویلڈنگ کی تیز روشنی میں دروازے پر جھکا ہوا تھا۔ مگر پرائس ہارڈی اور وینڈی غائب تھے۔ اس نے پانی کے تالاب کا رخ کیا جو ایک کونے میں ہونے کی وجہ سے تاریکی میں تھا۔ وینڈی کی ایک اور طویل چیخ سن کر وہ بے تحاشہ بھاگا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ تالاب کے وسط میں ہارڈی کی لاش تیر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر مڑ گئے تھے اور کرب کے عالم میں زبان دانتوں میں دبی ہوئی باہر لٹک رہی تھی اس کے ساتھ ہی وینڈی کھڑی لرز رہی تھی۔ اینی نے سوچے سمجھے بغیر اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا مگر گیرارڈ نے اس کی قمیص کا کالر پکڑ کر ایک جھٹکے سے کھینچ لیا قمیص پیچھے سے پھٹ گئی اور اینی دو گز پیچھے جا گری۔ اس کے ساتھ ہی گیرارڈ نے وینڈی کو بھی گرتے دیکھا۔ "قریب مت جانا — پانی میں کرنٹ ہے۔" گیرارڈ نے چیخ کر کہا۔ پھر اسے لکڑی کے

تختوں پر ربڑ کا پائپ لپٹا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے دوڑ کر پائپ اٹھایا اور اس کے دونوں سروں کو تھام کر پھندے کی طرح وینڈی کی کمر کے گرد ڈال دیا۔ ایک جھٹکے میں وہ پانی سے باہر آ گری۔ گیرارڈ اسے گھسیٹ کر دور لے گیا اور اس کے دل کی دھڑکن سننے کی کوشش کی۔ اینی دو زانو ہو کر اس پر جھک گئی۔ وینڈی کا سانس رک گیا تھا۔ گیرارڈ نے پیشہ ورانہ انداز میں اسے فرش پر چت لٹا کر پھیپھڑوں میں ہوا بھری اور وینڈی کے منہ سے منہ لگا کر پھونکنے کی کوشش کی۔ اس کے ہاتھوں نے مصنوعی تنفس جاری کرنے کی جدوجہد کی۔ اینی اسے دہشت سے دیکھتی رہی۔ تین منٹ گزر گئے وینڈی کے دل نے ابھی تک دھڑکنا شروع نہیں کیا تھا مگر گیرارڈ نے اپنی کوشش جاری رکھی —————— جیسے جیسے وقت —— گزرتا گیا اس کی مایوسی میں اضافہ ہوتا گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ پسینے میں شرابور اٹھ کھڑا ہوا۔ وینڈی کا ساکت جسم اسی طرح پڑا رہا۔ اینی نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ گیرارڈ نے جھک کر وینڈی کے مردہ جسم کو اٹھایا اور بنچ پر سیدھا لٹا دیا۔ اینی کے لرزتے جسم کو اس نے ایک ہاتھ سے سمیٹ لیا۔ "رونے سے کیا ہوتا ہے اینی۔ آکسیجن ہی بہت کم تھی ورنہ وہ نہ مرتی —" اس نے کہا پھر اس کی نگاہ پانی کی سطح پر منحنی انداز میں پڑی ہوئی ہارڈی کی لاش سے آگے گئی جہاں ایک تار پانی کی سطح کو چھو رہا تھا۔ اکثر تاروں سے پلاسٹک کی تہہ اتری ہوئی تھی۔ "رائٹ۔ رائٹ یہ تم نے کیا ایجاد کر دیا —!!"

پرائس کا کہیں پتہ نہ تھا اور سلیڈ ساری باتوں سے بے خبر اپنے کام میں مگن تھا۔ "ان میں سے ایک دوسرے کی جان بچانے کی کوشش میں مارا گیا —" گیرارڈ نے کہا۔ "شاید اسی کا نام محبت ہے —" اینی نے خلا میں دیکھتے ہوئے کہا۔ گیرارڈ نے اینی کو دوسری بنچ پر لٹا دیا اور گیس کے ڈرم کو دیکھتا ہوا آہستہ آہستہ سلیڈ کے پاس گیا۔ اس نے تالے کے چاروں طرف چادر میں لمبی لمبی درزیں بنا دی تھیں مگر کونے باقی تھے گیرارڈ نے اس کے ہاتھ سے ٹارچ لے لی۔ "پریشر کم ہو گیا ہے —" اس نے کہا۔ سلیڈ وہیں فرش پر بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ گیرارڈ کو ایک خیال آیا اور اس نے اچانک پلٹ کر دیکھا۔ "اس پانی سے منہ دھونے مت چل پڑنا۔ اس میں کرنٹ ہے۔ وینڈی اور ہارڈی مر چکے ہیں —" سلیڈ رک گیا۔ وہ اسی ارادے سے اٹھا تھا۔ گیرارڈ کو آدھے گھنٹے بعد ہی اندازہ ہو گیا کہ کام کتنا سخت ہے۔ اسے تعجب ہوا کہ سلیڈ اکیلا ہی دو گھنٹے سے مصروف تھا جبکہ وہ خود دس کے تازہ دم ہو چکا تھا۔ بالآخر تالے کے تین طرف کی چادر صاف کٹ گئی۔ "بس کرو —" سلیڈ نے کہا۔ "اسے ہم توڑ دیں گے —" ویسے بھی شعلے کی لو مدھم پڑ گئی تھی۔ گیرارڈ نے ایک سریا اٹھایا اور کٹے ہوئے حصے میں پھنسا کر دبایا۔ سریا ٹیڑھا ہو گیا۔ گیرارڈ نے سریا نکال پھینکا اور ایک ہتھوڑ

تلاش کر کے لایا۔ پوری قوت سے ضرب لگانے کے باوجود تالے کا کچھ نہ بگڑا۔ وہ سلیٹر کے پاس بنچ پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ اینی ان دونوں کے پیچھے مایوس کھڑی تھی۔ اچانک اسے ایک خیال آیا۔ "گیرارڈ" اس نے جھینپ کر کہا۔ "بنچ"

"بنچ ؟"۔ سلیٹر نے دیکھا۔ ہاں ۔ وہ دونوں ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ۔ بنچ کافی بھاری تھی اور اس کے بازو لوہے کے تھے۔ وہ بنچ کو اٹھا کر پیچھے لے گئے۔ اینی اور گیرارڈ نے ایک طرف سے اسے تھام لیا۔ دوسری طرف سلیٹر اکیلا تھا۔ "او کے۔" اس نے ماتھے سے پسینے کو صاف کرتے ہوئے کہا۔ "ون۔ ٹو۔ تھری۔" وہ تینوں بنچ اٹھا کر دوڑے اور اس کے آہنی بازو کو تالے سے ٹکرانے کی کوشش کی۔ نشانہ ذرا سا خطا ہو گیا۔ "دوبارہ ۔" گیرارڈ نے کہا ۔ اس بار وہ صرف تین گز پیچھے گئے۔ "بس"۔ وہ دوبارہ دوڑے ۔ ایک دھماکے کے ساتھ بنچ کا آہنی بازو تالے کے درمیان میں ٹکرایا اور اسے باہر نکال دیا وہ بنچ پر بیٹھ کر ہانپنے لگے ۔ اینی نے دروازہ کھولا تو ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اندر آیا۔ ان کے سامنے ایک "ٹی" سی تاریک سرنگ تھی جس کے آخر میں سیڑھیاں تھیں۔ وہ تینوں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔

اوپر جہاں سیڑھیاں ختم ہوتی تھیں ایک اور آہنی دروازہ تھا۔ اتنا ہی مضبوط اور مقفل۔ "او گاڈ" سلیٹر نے مایوسی سے کہا۔ "اب تو بنچ بھی نہیں ہے۔" وہ تینوں سیڑھیوں پر دیوار کے سہارے بیٹھ گئے ۔ مضبوط تالے میں چابی کے سوراخ سے سورج کی ایک کرن آ رہی تھی اور فرش پر ننھا سا سفید دھبا بن گیا تھا۔ وہ دیر تک اس پر نظریں جمائے بیٹھے رہے پھر نیند نے مایوسی کی جگہ لے لی۔

گیرارڈ نے خواب میں دیکھا کہ لندن کی سڑکوں پر بارش ہو رہی ہے۔ آنکھ کھلی تو اس کے چہرے پر ٹھنڈے پانی کا ایک قطرہ گرا۔ اس نے اوپر دیکھا۔ ایک قطرہ اسی وقت اس کے حیرت سے کھلے منہ میں گرا جب وہ اوپر دیکھ رہا تھا۔ بدذائقہ۔ اوپر پرانی اینٹیں تھیں جن کے درمیان سے چاک کے رنگ کا سفید مسالہ جھڑ رہا تھا۔ اس کی دیوار کے ساتھ ساتھ نیچے آئی۔ ایک اینٹ نکلی ہوئی تھی اور خالی جگہ میں مکڑی کے جالے لٹکے ہوئے تھے۔ گیرارڈ نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا کہ اینٹوں کی ترتیب کسی بند دروازے کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس نے چند لمحے اس نئی صورت حال پر غور کیا دروازے کے پیچھے کیا ہے۔ لندن کی کھلی فضا یا کوئی اور سرنگ گندے پانی کی یا گیس لائن ۔ مگر اس نے کوشش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دروازہ کاٹنے کی نسبت یہ کام زیادہ آسان تھا۔ اینٹوں کی قدامت دیوار کی خستہ حالت اور سال خوردہ پلاسٹر کو دیکھتے ہوئے اس نے اینی سے کہا کہ وہ ایک سریا اور بیلچہ اٹھا لائے۔

ایک : بہن۔ آخر روپے پیسے والے بر کی تلاش میں تم کب تک بیٹی کو گھر بٹھلائے رکھو گی؟

دوسری : ارے نہیں۔ مجھے روپے پیسے کی تمنا نہیں ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ روپیہ پیسہ چاہے نہ ہو۔ سونا جواہرات ہوں۔ جائیداد ہو۔ میری بیٹی کے لئے تو بس یہی کافی ہے۔

شوہر : چلو آج کہیں گھوم آئیں۔

بیوی : چلو۔ لیکن دیکھو۔ اگر تم مجھ سے پہلے واپس آ جاؤ تو بڑے کمرے کی بتی جلتی چھوڑ دینا۔

سریے کی پہلی ضرب سے پانچ اینٹیں نکل گئیں اور گرد و غبار گیرارڈ کی آنکھوں میں پڑے دوسری دفعہ میں بارہ اینٹیں الگ ہو گئیں ۔ کام آسان دیکھتے ہوئے اینی نے بھی اپنی طاقت آزمانے کی کوشش کی وہ دوسرا سریا اٹھا لائی۔ مگر گیرارڈ نے اسے منع کر دیا۔ "ڈارلنگ ڈیئر۔ تم دیکھو میں کیا کرتا ہے۔" اس نے سریے کو نیزے کی طرح تولتے ہوئے کہا۔ یہی بہن بڑی "تم دونوں نے کیا شور مچا رکھا ہے سونا حرام کر دیا ہے۔" سلیٹر اٹھ بیٹھا۔ مگر اتنی دیر میں گیرارڈ نے دیوار میں اتنا بڑا سوراخ کر لیا تھا جس سے گزرا جا سکے اور ملبے پر اپنا پاؤں رکھے یوں کھڑا تھا جیسے شکاری مردہ شیر پر بندوق رکھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ فوٹو کھنچوانے کے لئے۔ دیوار کے ادھر ان کے لئے مزید حیرت کا سامان تھا۔ وہ سوراخ سے نکل کر سیدھے کھڑے ہوئے تو تاریکی میں انہوں نے ایک پرانے زمین دوز ریلوے اسٹیشن کی عمارت دیکھی۔ "یہ آثار قدیمہ دریافت کرنے پر ہمارا ذکر تاریخ کی کتابوں میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا" گیرارڈ نے کہا۔

"ہاں۔ ہمارے آثار قدیمہ دریافت ہونے کے بعد" اینی نے کہا۔

"یہ کونسا اسٹیشن نکل آیا۔ ہیں تو ہم لندن ہی میں نا۔ ؟" سلیٹر نے کہا۔ "یا سرنگوں میں چلتے چلتے کسی اور براعظم تک آ گئے ہیں"

بھٹکی ہوئی روحوں کی طرح وہ تینوں خالی پلیٹ فارم پر چلنے لگے۔ کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے پڑے تھے اور دروازے چوپٹ کھلے تھے۔ پرانے پوسٹر گرد میں چھپے ہوئے تھے ریلوے لائن غائب تھی اور پوری عمارت آسیب زدہ لگتی تھی۔ "یہ گرے این" سلیٹر نے محراب نما دروازے پر ٹارچ کی روشنی کی مدد سے مدھم حروف کو پڑھتے ہوئے کہا۔ دو آدمی گفتگو کر رہے تھے اور تیسرا کان لگائے کھڑا تھا اور اس تصویر کے نیچے لکھا تھا "سوچ سمجھ کر بات کیجئے" جب میں چھوٹا سا تھا تو اس قسم کا ایک اشتہار میں نے کھڑکی کے شیشوں پر چپکا یا تھا۔" سلیٹر نے وزارت دفاع کے اس اشتہار کی عبارت پڑھتے ہوئے کہا۔ "تاکہ بم کے دھماکے سے شیشے ٹوٹیں تو اندر نہ آئیں ۔ تین سال

پہلے کی بات ہے۔" تصویر میں گفتگو سننے والے کی شکل ہٹلر سے ملتی تھی اور اس کے سینے پر سواستیکا کے نشان کے نیچے میڈل پر لکھا تھا "دشمن" گیرارڈ بے ساختہ ہنس پڑا۔

"میں نے کہیں پڑھا ہے کہ زیرزمین اسٹیشن ہوائی حملے سے بچاؤ کے لئے استعمال ہوتے تھے ایک بم ان میں سے کسی اسٹیشن پر آگرا تھا۔ اس نے چھت میں شگاف کر دیا تھا اور نہ جانے کتنے لوگ مارے گئے تھے" گیرارڈ نے کہا۔ کچھ آگے چل کر ایک جگہ تیر کے نشان پر لکھا تھا "باہر جانے کا راستہ" مگر اس کے سامنے ملبے کا ایک ڈھیر تھا — اور ٹنگ — پلیٹ فارم جہاں ختم ہوتا تھا وہاں ریت کی بوریوں سے راستہ بند کر دیا گیا تھا۔ یہ کبھی کسی ریل گاڑی کا آخری اسٹیشن رہا ہوگا۔ یا پہلا۔

❖❖❖❖

کیپ ٹن اسٹریٹ جو "ایج ویر" روڈ کے مشرق میں ہے خاصی بارونق سڑک ہے۔ سڑک کے درمیان میں تین فٹ چوڑی سبز گھاس کی پٹی ہے اور دونوں کناروں پر گاڑیاں کھڑی رہتی ہیں۔ سڑک کے نیچے ریلوے کی سرنگ ہے جس کے روشندان کہیں کہیں اس سڑک کے درمیان کھلتے ہیں۔ ان پر سیاہ جالی لگی ہوئی ہے۔ جس وقت کنگ کراس اسٹیشن میں دھماکے ہوئے اور آگ لگی تقریباً اسی وقت ان جالیوں کے نیچے لاوے کی شکل کا پگھلا ہوا مادہ جمع ہو رہا تھا اور اس کی سطح آہستہ آہستہ بلند ہو رہی تھی۔ سارے علاقے میں سڑے ہوئے گوشت کی بو پھیلی ہوئی تھی اور لوگوں کا خیال تھا کہ کسی کا کتا یا بلی گٹر لائن میں گر کر مر گئی ہے۔ وہ زمین دوز ریلوے کی سرنگ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے بند تھی اور اسے سیلاب یا بارش کے فاضل پانی کی نکاسی کے متبادل نظام کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ گٹر لائن کا پانی ابل کر اکثر اس میں آجاتا تھا اور لائن صاف ہونے کے بعد واپس اتر جاتا تھا اس کی جالیوں سے بارش کا پانی سڑک سے بہہ کر سرنگ میں داخل ہو جاتا تھا۔ سرنگ آگے جا کر بند ہو جاتی تھی۔ پگھلا ہوا مادہ آہستہ آہستہ اوپر آتا گیا۔ کسی راہ گیر نے پل بھر کے لئے رک کر سگرٹ جلائی اور جلتی ہوئی تیلی جالی پر پھینک دی۔ ایک شعلہ سا لپکا اور کنکریٹ کی نٹ پاتھ دھماکے سے اڑ گئی۔ تیلی پھینکنے والے کا نام و نشان تک نہ رہا۔ لوہے کی جالی کے چوکھٹے ہوا میں اڑتے ہوئے کاروں اور فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ بنی ہوئی دکانوں کے شیشوں سے ٹکرائے اور انہیں ریزہ ریزہ کر دیا۔ نیچے ستر مربع میل میں پھیلی ہوئی زیرزمین ریلوے کی سرنگوں میں بارہ گاڑیاں کھڑی تھیں۔ جیسے جیسے پلاسٹک کے گلنے سے سگنل بند ہونے، روشنیاں بجھ جانے اور الیکٹرک انجنوں کے رک جانے کے واقعات میں اضافہ ہوتا گیا آگ اور دھماکوں کی خبریں زیادہ آنے لگیں لندن کے چیف ٹرانسپورٹ انجینئر کے لئے زمین دوز ریلوے کے نظام کو بند کرنے کے سوا چارہ نہ رہا۔

زمین کے اوپر ٹریفک سگنل کی جگہ پولیس مین پوسٹ کر دیئے گئے۔ ریڈیو کی نشریات وقفے وقفے سے بند ہونے لگیں اور اناؤنسر بار بار معذرت کرتے رہے۔ انجینئر ابھی کسی خراب تار کی جگہ نیا تار لگا کر فارغ بھی نہیں ہوتے تھے کہ کسی دوسرے ٹرانسمیٹر کے بند ہونے کی اطلاع ملتی۔ بالآخر چینل نمبر ایک اور چار مستقل طور پر بند ہو گئے ٹی وی کی نشریات میں کبھی تصویر اور کبھی آواز گڑبڑانے لگی۔ سارے شہر میں باسی گوشت کی بو پھیل گئی۔ پلاسٹک کے ڈبے اور بوتلیں گلنے لگیں۔ دوائیں خراب ہو گئیں اور تیزاب کے مرتبان جیسے گل گئے۔ ایک دفتر میں تاروں کے مل جانے سے آگ لگ گئی جسے ایک نوجوان نے دیوار پر لگے ہوئے آگ بجھانے کے آلے سے فرد کر دیا مگر اتنی دیر میں حرارت سے پلاسٹک کا جار پھٹ گیا اور تیزاب کے گرم قطرے عملے کے لباس اور چہروں پر پڑے۔ جھلسے ہوئے چہرے لے کر بھاگنے والی لڑکیاں سیڑھیوں پر سے پھسل گئیں۔

کریمر لیبارٹری میں رائٹ۔ ہیوشان اور سکیلن کو ابھی کریمر اور گیرارڈ کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ انہیں معلوم تھا وہ کنگ کراس کے قریب گلے ہوئے تار کے نمونے اور فوٹو گراف لینے گئے تھے۔ کریمر ابھی کیمبرج سے نہیں لوٹا تھا۔ دوپہر کے بعد بی بی سی کی ریڈیو اور ٹی وی نشریات وزارت داخلہ کے ایک اہم اعلان کے لئے روک دی گئیں۔ وزیراعظم کا سنجیدہ چہرہ لاکھوں گھروں کے ٹی وی اسکرینوں پر نظر آیا مگر لاکھوں لوگ خالی اسکرین کو ہی گھورتے رہے۔ ان کے سیٹ خراب پڑے تھے۔

"حالیہ واقعات کی وجہ سے مجھے ملکۂ برطانیہ نے ہنگامی حالات کے نفاذ کی اجازت دیدی ہے۔ جو حادثات اب تک پیش آچکے ہیں ان سے ہونے والے جانی اور مالی نقصان کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے لیکن پلاسٹک کی خرابی نے وقتی طور پر ریڈیو ٹیلی فون آمدورفت اور بجلی کی فراہمی کو مشکل بنا دیا ہے۔ میں لندن کے شہریوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہراساں نہ ہوں اور جہاں بھی پلاسٹک کی خرابی سے کسی نقصان کا اندیشہ محسوس کریں ہنگامی مراکز کو مطلع کریں۔ شہر کو فوج کے حوالے کر دیا گیا ہے اور ارد گرد کے علاقوں کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔"

رائٹ نے جھلا کر ٹی وی بند کر دیا۔ "کیا اس سے مسئلہ حل ہو گیا۔" ہیوشان نے طنز سے پوچھا۔

"ہیوشان — دشمنی میں یہ مت بھولو کہ اب معاملہ صرف امیینو اسٹرین کا نہیں ہے۔ ہر قسم کا پلاسٹک خراب ہو رہا ہے۔ پلاسٹک کی درجنوں اقسام ہیں مگر سب یکساں طور پر متاثر ہو رہی ہیں۔" رائٹ نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو اپنی کریمر کی فکر ہے" سکیلن نے کہا۔ "میاں کیمبرج میں ہے اور بیوی ایک اجنبی کے ساتھ — اگر میری بیوی ہوتی" اس نے ہاتھ کے اشارے سے گلے پر چھری چلائی۔

"سکیلن — میں نے تم جیسا احمق نہیں دیکھا — ارے بابا سارا لندن تباہ ہو رہا ہے اور تمہیں ایک عورت کی فکر ہے" رائٹ نے کہا۔ "مسئلہ پلاسٹک کا ہے — جب سے میں پیدا ہوا ہوں یہی دیکھا

❀❀❀

رائٹ نے ہی نہیں دنیا کے کسی شخص نے بھی کبھی یہ تصور نہیں کیا تھا کہ پلاسٹک جو ان کی زندگی میں صبح سے شام تک ان گنت چیزوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کنگھے سے لے کر ٹی وی تک۔ نگل سڑ بھی سکتا ہے۔ اس کا اصل سبب صرف ایک آدمی کو معلوم تھا اور وہ مر چکا تھا۔ ڈاکٹر سائمن۔ جس کا انتقال دس سال پہلے جولائی کی ۲۰ تاریخ کو حرکت قلب بند ہو جانے سے ہوا تھا۔

یہ تقریباً پندرہ برس پہلے کی بات ہے ایک دن صبح کے وقت ان کے باتھ روم کی فلش لائن بند ہو گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ پلاسٹک کی ایک تھیلی جالی کے منہ پر چپک گئی تھی۔ اسے ہٹاتے ہی سارا پانی نکل گیا۔ لاحول ولا قوۃ۔ انہوں نے کہا۔ بچے آلو کے چپس کھائیں یا پوپ کارن۔ لفافے نالی میں ضرور ڈالیں گے۔ نہ جانے ساری دنیا میں ہر روز کتنی لائنیں اسی طرح بند ہوتی ہوں گی۔ اور لوگ پلمبرز کو بلاتے ہوں گے اور ان سے لڑتے ہوں گے۔

ان کی زندگی بکٹیریا کی نشو و نما پر ریسرچ کرتے گذری تھی۔ سوات کو کھانا کھاتے ہوئے انہیں خیال آیا کہ وہ بکٹیریا کی کوئی ایسی نسل یا قسم دریافت کر لیں یا تجربہ گاہ میں بنا لیں جو پلاسٹک کھا لیا کرے تو گٹر لائن میں ان کی موجودگی بہت سی غلاظت کو ختم کر دیگی۔ یہیں سے ساری تباہی شروع ہوئی کیونکہ ڈاکٹر سائمن کے لئے سوچنا اور کرنا برابر تھا۔ انہوں نے اس بکٹیریا کو ایجاد کر لیا جو پلاسٹک کو کھا جائے۔

ایجاد لفظ یوں کہ اس بکٹیریا کا اس سے پہلے وجود نہ تھا۔ اس کام میں ان کا بہت وقت صرف ہوا مگر وہ ہمت ہارنے والے انسان نہیں تھے۔ انہوں نے عام قسم کے بکٹیریا سے تجربات کا آغاز کیا۔ نظریاتی طور پر یہ بات ممکن تھی۔ ہر جاندار جس ماحول میں رہتا ہے اس کی جسمانی ساخت اور ضروریات اسی ماحول کے مطابق ہو جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ برفانی ریچھ سفید ہوتا ہے اور میدانی ریچھ سیاہ۔ اسی طرح تمام جاندار اپنی غذائی ضروریات کے معاملے میں خود کفیل ہو جاتے ہیں اور بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ درخت اپنی جگہ کھڑے فضا کی کاربن ڈائی آکسائڈ کو خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور جڑیں گہرائی سے پانی کھینچ لیتی ہیں۔ بکٹیریا نظر نہ آنے والے جاندار ہیں جو صرف ایک خلیے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جراثیم کی طرح۔ یہ جانداروں کی خوراک بھی بنتے ہیں اور انہیں اپنی خوراک بھی بناتے ہیں۔ ان حشرات الارض کو جو مر جاتے ہیں اور ان انسانوں کو بھی جو زمین کے اندر ان کا رزق بننے کے لئے دفن کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر سائمن کے سامنے صرف ایک مسئلہ تھا۔ کسی طرح سے انہیں پلاسٹک کھانے کی عادت ڈال دی جائے۔ انہوں نے لوگوں کو سنکھیا کھانے کی عادت ڈالتے دیکھا تھا جو ایک ذرے سے شروع کرتے تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی تھی کہ تولہ بھر سنکھیا بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑتا تھا۔ خواب آور ادویات اور نشے کے عادی بھی رفتہ رفتہ ایک ایسی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کا جسم معمولی مقدار سے متاثر ہونا چھوڑ دیتا ہے۔ چڑیا گھر کے شیر کو اگر گوشت کھلانے کی بجائے ترک کر دیا جائے تو وہ گھاس کھانے پر مجبور ہو جائیگا اور تجربے میں پیدا ہونے والا بچہ خرگوش کے بچے کی طرح صرف گھاس کھائے گا اور اسا ہی بے ضرر بھی ہوگا۔

دوسری اہم بات یہ تھی کہ پروٹین۔ جو بکٹیریا کی سب سے اہم غذا ہے کیمیائی اعتبار سے پلاسٹک کے اجزا پر مشتمل ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ لکڑی سے کرسی بھی بنتی ہے اور میز بھی۔ دونوں کی شکل الگ ہے مگر اصل ایک ہے گنے کا رس۔ گڑ اور چینی کی اصل ایک ہے۔ یعنی ان کے اجزا ایک ہیں۔ چینی میں کاربن کے بارہ ہائیڈروجن کے بائیس اور آکسیجن کے گیارہ حصے ہوتے ہیں۔ پلاسٹک میں بھی یہی تین جزو ہوتے ہیں مگر ان کا باہمی تناسب مختلف ہوتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی چائے میں پلاسٹک گھول کر پی سکتا ہے اسی طرح جیسے میز پر بیٹھ کر کرسی پر نہیں لکھ سکتا لیکن چینی نہ ملے تو گڑ کا عادی ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر سائمن نے بکٹیریا کو پروٹین سے ہٹا کر پلاسٹک تک لانے میں کئی برس صرف کئے۔ وہ ان کی غذا میں تبدیلی کرتے گئے۔ پروٹین سے دور اور پلاسٹک کے قریب لاتے گئے۔ ایسے کیمیائی مرکبات کھلا کر جو وہ اپنی تجربہ گاہ میں آسانی سے تیار کر سکتے تھے۔ بکٹیریا کے لئے یہ غذا ہضم کرنا مشکل ہوتا تھا مگر وہ انہیں زندہ رکھتے تھے تاکہ ان اثرات سے مزاحمت پیدا کر کے بکٹیریا کی دوسری نسل کے لئے وہی غذا قبول کرنا آسان ہوتا تھا۔ ڈاکٹر کے سامنے ایک واضح مقصد تھا۔ نوبل پرائز کے حصول کا۔ بکٹیریا کو یہ پتہ نہ تھا۔ دوسری نسل کی غذا میں ملاوٹ بڑھ گئی۔ یکے بعد دیگرے ان کی ہر نئی نسل کو جو خوراک ملی اور جس پر انہیں ڈاکٹر نے زندہ رکھا زیادہ سے زیادہ پلاسٹک کے اجزا پر مشتمل تھی۔ اٹھارہ نسلیں گذر جانے کے بعد جو نسل وجود میں آئی وہ صرف پلاسٹک کھاتی تھی۔ خالص پلاسٹک۔ اور کوئی چیز نہیں۔ ڈاکٹر سائمن نے اپنے مقصد کو حاصل کر لیا تھا مگر ان کا اپنا وقت پورا ہو گیا تھا۔ تحقیق و تفتیش اور تجربات کے کٹھن اور صبر آزما مرحلوں میں ڈاکٹر نے اپنے سونے اور کھانے کی فکر چھوڑ دی تھی اور وہ ہمیشہ ایک ہی فکر میں غلطاں رہتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا بلڈ پریشر بڑھتا گیا۔ اس کے خون میں کولسٹرول کی مقدار بڑھتی گئی اور اسے پتہ نہ چلا۔ ایک دن جب وہ پلاسٹک کھانے والے اربوں کھربوں بکٹیریا کو شیشی میں بند کئے فخر و انبساط کے ساتھ دیکھ رہا تھا کولسٹرول کی زیادتی نے اس کے خون میں ایک ننھا سا لوتھڑا پیدا کر دیا۔ ایک جمے ہوئے خون کا قند جو اس کے دماغ کی ایک رگ میں پھنس گیا۔ دل نے خون کو گردش میں رکھنے کے لئے دباؤ ڈالا مگر ایک جگہ سے راستہ بند تھا۔ دماغ کی وہ رگ پھٹ گئی۔ ڈاکٹر کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ زمین اور آسمان گھومنے لگے اور اس کے لئے توازن برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔ وہ ڈاکٹر تھا۔ اس نے موت کے فرشتے کو سامنے کھڑا دیکھ لیا۔ منتظر۔ "اوہ۔ ا۔ یہ تو

میں بھول ہی گیا تھا۔" اس نے سوچا۔ مگر سبقت کی گنجائش نہ تھی۔ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ شیشی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر داش بین میں گری اور ٹوٹ گئی۔ زرد رنگ کا مائع نالی کے راستے بہہ کر نیچے چلا گیا اور ڈرین پائپ سے ہوتا ہوا گٹر کی گڑگڑاہٹ میں شامل ہو گیا۔ کھلے ہوئے نل سے پانی کی دھار بہتی رہی۔

اس سن کا نوبل پرائز سائنس میں ایک اہم ایجاد پر امریکا اور کینیڈا کے دو سائنسدانوں کو دیا گیا جنہوں نے تجربہ گاہ میں زیادہ پیداوار دینے والے گندم کا بیج پیدا کیا تھا۔

❖❖❖

گرے اِن کے ویران ریلوے اسٹیشن پر کسی گاڑی کے آنے کا امکان نہ تھا۔ ۱۶ جنوری ۱۹۴۳ کا ایک زرد خستہ اور داغدار اخبار پلیٹ فارم کی گرد کے نیچے دبا ہوا تھا۔ سلیٹر نے پیر سے گرد صاف کی اور شہ سرخی کے الفاظ ٹارچ کی روشنی میں نظر آنے لگے "اسٹالن گراڈ میں روسی افواج کی زبردست کامیابی۔"

"مجھے تو سردی لگ رہی ہے۔" ایمی نے کہا "میرے سارے کپڑے بھیگے ہوئے ہیں۔" گیرارڈ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ملبے میں خشک لکڑی کے بہت سے ٹکڑے تھے مگر آگ جلانے میں خطرہ تھا۔ "اس قسم کے مقامات پر جو برسوں بند پڑے رہیں زہریلی گیسیں جمع ہو جاتی ہیں۔" اس نے کہا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کیں اور جیب سے لائٹر نکال کر روشن کیا۔ اس کا شعلہ خاموشی سے سیدھا جلتا رہا۔ "گیس نہیں ہے۔" گیرارڈ نے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے تم نے جرأت کا نہیں حماقت کا ثبوت دیا ہے۔" سلیٹر نے کہا۔ "گیس ہوتی تو دھماکے سے یہ پورا اسٹیشن اڑ جاتا۔ اگر مرنا ہی تھا تو جدوجہد کا کیا مقصد تھا۔" گیرارڈ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے لکڑیوں کا ڈھیر اکٹھا کرتا رہا۔ پرانے اخبار اور پوسٹر اکٹھے کر کے اس نے کاغذ کو آگ دکھا دی۔ پرانی لکڑی نے تیزی سے آگ پکڑ لی۔ شعلے بلند ہو گئے۔ ان کے سائے اندھیرے اسٹیشن کے کھنڈر میں بھوتوں کی طرح رقص کرنے لگے۔ حرارت نے ان کے سرد جسموں میں توانائی کو بحال کر دیا۔ سلیٹر جو دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا غنودگی کے عالم میں ایک طرف جھکنے لگا اور بالآخر فرش پر لڑھک گیا۔ برسوں کی گرد میں پیر پھیلا کر خراٹے لینے لگا۔ ایمی نے اپنے کپڑے ایک ایک کر کے اتارے اور کھلی کھڑکی کے ٹٹوں پر پھیلائے۔ گیرارڈ نے اپنا سر گھٹنوں میں دے لیا۔ اب ایمی چپکے سے آ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ گیرارڈ نے ایک ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ کر اپنے قریب کر لیا۔ وہ مسکرائی۔

دو گھنٹے میں کپڑوں کا سارا پانی بھاپ بن کر اڑ گیا۔ سلیٹر کی آنکھ کھلی تو وہ دونوں بے خبر سوئے پڑے تھے۔ اس نے انہیں جگانے کے لئے ان کے بازوں کو کھینچا۔ ایمی کی آنکھ پہلے کھلی۔ پھر گیرارڈ بھی اٹھ بیٹھا۔ "سونے کے لئے عمر پڑی ہے۔" سلیٹر نے کہا۔ ایمی نے خشک کپڑوں کو جھاڑ کر پہن لیا۔ "یہ آواز کیسی ہے۔" گیرارڈ نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔ سلیٹر نے غور سے سننے کی کوشش کی۔ "آواز تو نہیں مگر بدبو ہے۔"

"نہیں۔ آواز بھی ہے۔ بہتے پانی کی آواز۔ پلیٹ فارم کے نیچے۔" گیرارڈ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ آواز کی سمت میں چل پڑا۔ رفتہ رفتہ سلیٹر کے کانوں میں بھی یہ آواز آنے لگی۔ "گٹر لائن۔" اس نے کہا۔ مگر پلیٹ فارم پر سوائے گرد کے کچھ نہ تھا۔ گیرارڈ نے اپنے جوتے اتار دیئے۔ "جوتوں کے ساتھ تو ہم پتہ نہیں لگا سکتے۔ ننگے پیروں کے نیچے اگر کسی گٹر کے مین ہول کا ڈھکن آیا تو پتہ چل جائیگا۔ عموماً لوہے کے یہ ڈھکن اوپر سے ہموار نہیں ہوتے ان پر ابھرے ہوئے خانے یا حروف ہوتے ہیں۔"

"لائن اگر ہو گی تو دیوار کے ساتھ ہو گی۔" سلیٹر نے کہا۔ گیرارڈ نے ایک کنارے سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر چلنا شروع کیا۔ تقریباً پچاس قدم چل کر وہ رک گیا اور بیٹھ کر ہاتھ سے گرد ہٹائی۔ مین ہول کا گول ڈھکن نمودار ہوا۔ سلیٹر نے اس پر ابھرے ہوئے حروف کو پڑھا جو غالباً ڈھکن بنانے والی کمپنی کے نام کے ابتدائی حروف تھے۔ دونوں کناروں پر گڑھے سے بنے ہوئے تھے۔ جیسے کسی گیند کو درمیان سے کاٹ دیا جائے۔ اس میں بھی مٹی بھر گئی تھی۔ گیرارڈ نے انگلیوں سے مٹی کو نکالا۔ ڈھکن کی سطح کے برابر دونوں گڑھوں میں چھوٹی چھوٹی سلاخیں سی تھیں۔ گیرارڈ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے انہیں پکڑا اور ڈھکن اوپر کھینچ لیا۔ شدید بدبو کا ایک بھبکا آیا۔ گیرارڈ نے روشنی اندر ڈالی۔ گہرے کتھوے رنگ کا سیال سا ایک سمت میں بہتا جا رہا تھا۔ گیرارڈ نے اس بو کو پہچان لیا تھا۔ سیال میں جو گڑ کے شیرے کی طرح تھا بلبلے اور جھاگ بھی پیدا ہو رہا تھا۔

"پلاسٹک۔" گیرارڈ نے کہا۔ "نہ جانے کہاں کہاں سے پگھل کر آنے والا۔ لاکھوں بوتلوں کھلونوں گھریلو استعمال کی چیزوں اور تاروں پر سے اترا ہوا۔" گٹر کی تہہ میں بہتا ابلتا سیال مادہ سڑے ہوئے گوشت کی بو پھیلاتا بہہ رہا تھا۔ اندر اترنے کے لئے لوہے کے زنگ خوردہ ہک سے بنے ہوئے تھے۔ ایمی نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ٹین کا ایک گول ڈبہ الٹا پڑا تھا۔ اس نے سیدھا کر کے دیکھا۔ وہ اندر سے بالکل صاف تھا۔ گیرارڈ احتیاط سے نیچے اترا اور رقیق مادے سے ڈبے کو آدھا بھر لیا۔ باہر نکل کر اس نے تھوڑا سا مادہ ایک انگلی کے کنارے پر لگا کر دیکھا۔ کوئی جلن محسوس نہیں ہوئی۔ وہ اسی طرح آگ کے پاس آ بیٹھے مگر ڈبے کو دور رکھا۔ "سلیٹر ذرا مجھے اپنا پین دو۔" گیرارڈ نے کہا۔ پین کو اس نے ڈبے میں اس طرح کھڑا کر دیا کہ کیپ تک وہ اس محلول میں ڈوبا رہا۔ دس منٹ بعد اس نے پین کو نکالا اور دوسرے ہاتھ سے دبا کر دیکھا۔ وہ نرم پڑ چکا تھا اور نیچے کا حصہ تقریباً پگھل گیا تھا۔ "سلیٹر۔ بہتر ہے تم دوسرا پین خرید لو۔ یہیں کہیں مل جائے گا۔ کسی ریلوے اسٹال سے۔" گیرارڈ نے کہا۔ سلیٹر نے اسے گالی دی۔ "میرا شیفر۔"

"یہ دیکھو۔ اس میں کوئی چیز ایسی ہے جو پلاسٹک کو دیمک کی طرح کھا رہی ہے۔" گیرارڈ نے قلم کا نچلا حصہ اس کی طرف کیا۔ سلیٹر نے دیکھا وہ ربر کی طرح ہو گیا ہے۔ "اسے واپس ڈبے میں ڈال دو۔" گیرارڈ ابھی

تک انگلی پر اس بدبودار سیال کو لگائے بیٹھا تھا۔ "جسم کو اس سے کوئی نقصان پہنچنے کا امکان نہیں۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" اینی نے کہا گو وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کا ارادہ کیا ہے۔ وہ اپنے کپڑے اتار رہا تھا۔ "میں اندر اتر رہا ہوں۔" گرہولڈ کھڑا ہو گیا۔ "میں دیکھتا ہوں یہ گٹر لائن کہاں جاتی ہے۔" وہ ٹب تھامے نیچے اترنے لگا۔ آہستہ آہستہ اس نے ایک پیر اس غلیظ سیال میں ڈالا۔ پھر دوسرا۔ گٹر کے اوپر سے سلیٹر نے ٹارچ اسے پکڑا دی۔ "درست کرنا۔" اینی نے تشویش سے کہا۔

سیال گیرارڈ کی کمر تک آ گیا۔ وہ دیوار کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ بدبو سے اس کا دماغ پھٹ رہا تھا کئی بار اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر متلی کو روکا۔ جھاگ اور بلبلوں کے علاوہ اس سیال کی رفتار خاصی تیز تھی۔ گیرارڈ نے بہت سی چیزوں کو پیروں کے نیچے آتے دیکھا۔ پتھر، ڈبے اور بوتلیں۔ شیشے کی بنی ہوئی۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں اپنا سفر جاری رکھا۔ تقریباً دو گز بعد اس کے سامنے لوہے کی جالی آ گئی۔ سیال اس جالی سے گزر رہا تھا اور باقی چیزیں جالی میں اٹکی ہوئی تھیں۔ اس نے غور سے ان چیزوں کو دیکھا اس کوڑے میں وہ چیز نہیں تھی جس کی اسے تلاش تھی۔ پھر اپنے کندھوں تک ہاتھ ڈبویا اور تہ میں سے چیزیں نکال نکال کر روشنی میں دیکھنے لگا۔ دس منٹ جو اسے دس گھنٹوں کی طرح لگے بالآخر کارآمد ثابت ہوئے۔ اس کے ہاتھ میں مطلوبہ چیز آ گئی اور وہ اسے ہاتھ میں دبا کر چل پڑا۔ مین ہول کے قریب پہنچ کر اس نے اینی کی آواز سنی۔ مسرائی۔ پکارتی ہوئی۔ وہ غلیظ جسم کے ساتھ باہر نکلا تو وہ اس سے چمٹ گئی۔ "گیرارڈ۔ تم ٹھیک ہو نا۔" وہ روتے ہوئے بولی۔ "میں سمجھی تم ڈوب گئے۔"

"میں پلاسٹک کا گڈا نہیں ہوں۔" اس نے اینی کو تھپکتے ہوئے کہا۔ کاغذ کے ٹکڑوں سے اپنا جسم صاف کیا کپڑوں کو اینی نے جھاڑ کر آگ سے دور پھیلا دیا تھا۔ سلیٹر بھی محض انڈرویئر پہنے بیٹھا تھا۔ قمیض اور پتلون بالکل خشک ہو چکے تھے۔ کپڑے پہن کر وہ آگ کے پاس بیٹھ گیا اور وہ چیز نکالی جسے وہ تلاش کر کے لایا تھا۔ پھر اسے پین کا خیال آیا۔ "اوہ۔" اس نے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔ "میں تمہارا پین واپس کرنا تو بھول ہی گیا۔ دراصل میں چیزیں ادھر ادھر رکھ کر بھول جانے کا عادی ہوں۔" اس نے ڈبے میں انگلی ڈال کر ایک نب اور ایک کلپ نکالا۔ "یہ لو۔ باقی چیزیں پوری کر لینا۔" پین کا اس محلول میں کوئی نشان تک باقی نہ تھا۔

"سلیٹر۔ یہ بوتل کے ڈھکن ہیں۔ اسی بوتل کے جو غائب ہو جاتی ہے۔ ڈیگرون کی بنی ہوئی۔ ابتدا میں چند کمپنیوں نے ڈھکن کے اندر الومنیم کے گول پترے لگائے تھے جن پر کمپنی کا مونوگرام ہوتا تھا۔ بچے انہیں شوق سے جمع کرتے تھے۔ پانچ دس گول الومنیم کی ٹکیوں کے بدلے انہیں کمپنی کی طرف سے کوئی چیز مفت مل جاتی تھی۔ ٹکٹوں کی طرح ان پر نمبر بھی ہوتے تھے۔ کسی خاص نمبر پر کوئی بہت بڑا انعام مل سکتا تھا۔ چنانچہ بوتل غائب ہو جاتی تھی اور صرف یہ الومنیم کا ہلکا سا گول ٹکڑا رہ جاتا تھا جس پر مونوگرام یا سیریل نمبر ہوتا تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" سلیٹر نے کہا۔ اور غور سے الومنیم کے اس ٹکڑے کو دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے۔ محض خیال۔ کہ یہ سلسلہ فساد اس بوتل کا ہے۔ اس کے غائب ہونے کے بعد کوئی ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو نظر نہیں آتا مگر پلاسٹک کو نقصان پہنچاتا ہے۔" گیرارڈ نے کہا۔ "مثلاً کوئی بیکٹیریا۔ پلاسٹک اور پروٹین کے اجزا مشترک ہیں۔ چنانچہ بیکٹیریا خود پروٹین پر نشوونما پاتے ہیں اور پھیلتے ہیں۔"

"بیکٹیریا کے پھیلنے کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔" اینی نے کہا۔ "ایک سے دو۔ دو سے چار۔ چار سے آٹھ۔"

"ہاں۔ مگر یہ محض میرے تخیل کی پرواز ہے۔ گٹر لائنوں میں یہ بیکٹیریا پیدا ہوئے اور بڑھے۔ پھر جہاں جہاں گٹر کا پانی یا اس کی نمی پہنچی۔ بیکٹیریا بھی پہنچ گئے۔ دیوار کے ساتھ پھیلتے گئے اور پلاسٹک کو گلاتے گئے۔ تم نے اپنے قلم کا حشر دیکھا۔ اس سے میرے نظریے کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ کوئی کیمیائی مادہ ہے یا بیکٹیریا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن دونوں میں سے ایک چیز ضرور ہے۔"

سلیٹر نے سر ہلایا۔ "تمہاری بات ناقابل تردید ہے۔ مگر اس نظریے پر تحقیق کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے ہمارا باہر نکلنا ضروری ہے۔"

"وہ تو ہم نکل جائیں گے۔ اگر تو بل پرانا ہے تو مجھے دیدو۔" گیرارڈ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اوکے۔ یہ لو۔" اس نے الومنیم کا ٹکڑا اس کی قمیض پر پھینکا دیا۔

"اب میرا خیال ہے ہمیں وہیں قسمت آزمانی چاہیے۔ جہاں سے پانی کا قطرہ ٹپکا تھا۔"

✽✽✽

ڈاکٹر سائمن کے پرورش کئے ہوئے بیکٹیریا گٹر لائن میں زندہ نہ رہ سکے۔ انہیں وہ خوراک یعنی پلاسٹک نہ ملی جس پر ان کی زندگی کا انحصار تھا۔ کچھ بیکٹیریا بہتے ہوئے پولی تھین اور سیلوفین کے لفافوں پر چپک گئے اور زندہ رہے۔ باقی گٹر کی دیواروں پر ہی خشک ہو گئے۔ ان کی تخلیق و تولید کا عمل رک گیا۔ ایک سے دو اور دو سے چار ہونے کا۔ مگر یہ صلاحیت باقی رہی۔ جیسے ننھے سے بیج کے اندر ایک تناور درخت چھپا سوتا رہتا ہے لیکن جیسے ہی اسے زمین کی محبت بھری آغوش میں نمی اور سورج کی روشنی ملتی ہے وہ پھوٹ نکلتا ہے۔ سال دو سال سو سال یا ہزار سال بعد جب بھی اسے نشوونما کے لئے موافق حالات میسر آ جائیں۔ یہ خشک بیکٹیریا بھی اس وقت کے منتظر رہے جب قدرت انہیں دوسرے جنم کے لئے ان کی غذا یعنی پلاسٹک فراہم کرے۔ یہ غذا کرمر گروپ کے سائنسدان رائٹ کے وسیلے سے انہیں دس سال بعد فراہم ہوئی جب لاکھوں افراد نے ڈیگرون کی بنی ہوئی

بوتلوں اور ڈبوں کو گٹر لائن میں ڈالنا شروع کیا اور اس کے اجزا پانی میں تحلیل ہو کر خشک بکٹیریا تک پہنچنے لگے۔ انہیں اپنی غذا وافر مقدار میں باقاعدگی سے ملنے لگی اور ان کی نشوونما کا دوسرا دور شروع ہو گیا۔ وہ ایک سے دو دو سے چار ہونے لگے۔ اس تیزی سے کہ ہر سیکنڈ میں ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچنے لگی اور بڑھتی گئی — گٹر لائن کے پانی کے ساتھ سارے شہر میں پہنچے ہی پہنچے پھیلتی گئی۔ زمین دوز ریلوے کی دیواروں میں پانی کے ساتھ جذب ہو گئی۔ شہر کی نالیوں میں، گھروں میں ان کی نشوونما کے لئے حالات پوری طرح سازگار تھے۔ وہ پیٹ بھر کر پلاسٹک کھا سکتے تھے۔ وہ ہی نہیں ان کی سینکڑوں نسلوں کے لئے دنیا میں خوراک کا وافر ذخیرہ موجود تھا۔ جوڑے میں لگے ہوئے پھول سے لے کر میز آئل تک ہر چیز پلاسٹک کی تھی — وہ ڈاکٹر سائمن کی تصویر کا پلاسٹک کا فریم تک کھا گئے۔

✖✖✖

ہوشان نے اندھیرے میں اندازے سے سوئچ تلاش کیا۔ کمرہ روشن ہو گیا، وہ اور سکیلن ایک کمرے سے گزر کر دوسرے کمرے میں داخل ہوئے جہاں شیشیوں اور بوتلوں کی قطاریں رکھی تھیں۔ ”میں نے تمہیں آدھی رات کو اس لئے پریشان کیا ہے کہ تمہیں ایک ایسے راز میں شریک کروں جو ناقابلِ یقین بھی ہے مگر ناقابلِ تردید بھی۔“ ہوشان نے کہا۔

”میں نے اس خلانورد کھلونے کے پلاسٹک کے اجزا پر تحقیق کی اور مجھے عجیب و غریب کامیابی حاصل ہوئی۔“ اس نے سکیلن کے سامنے چار شیشیاں رکھ دیں۔ ”ان میں سے دو میں خراب پلاسٹک کے ٹکڑے ڈالنے کے بعد میں نے ڈیگرودن کے ٹکڑے شامل کئے اور شیشی کو بند کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پلاسٹک تیزی سے حل ہونا شروع ہوا اور جھاگ بن کر بالآخر ایک محلول میں تبدیل ہو گیا۔ میں نے اس کا ایک قطرہ شیشے پر ڈال کر مائکرو اسکوپ سے دیکھا۔ اس سے عجیب و غریب بکٹیریا پیدا ہو گئے تھے — انہوں نے ڈیگرودن کو کھا لیا تھا۔ سوال صرف یہ ہے کہ کھلونے کے پلاسٹک پر وہ بکٹیریا کہاں سے آئے جس نے ڈیگرودن کے ٹکڑوں کو کھایا۔ اس کا جواب میرے پاس نہیں ہے لیکن میں نے وہ بکٹیریا دریافت کر لیا ہے جس نے المینو اسٹرین اور ڈیگرودن کو کھانا شروع کر دیا تھا۔“

”کھلونے میں بکٹیریا پیدا ہونے کے اسباب جانے بغیر اس نتیجے پر پہنچنا بے کار ہے — بکٹیریا کو پھیلنے سے روکنا اسباب کا سدِباب کئے بغیر ناممکن ہے۔“ سکیلن نے کہا۔

”درست — میں نے اس بکٹیریا کو ڈیگرودن کے بعد پلاسٹک کی مختلف اقسام پر آزمایا اور نتیجہ ہمیشہ ایک ہی رہا۔ بکٹیریا نے ہر قسم کے پلاسٹک کو کھا لیا۔“ ہوشان نے کہا۔ ”تمہیں معلوم ہے بکٹیریا کی کتنی اقسام ہیں اور وہ پروٹین پر مشتمل ہوتے ہیں اور اسی پر ان کی نشوونما ہوتی ہے۔ پروٹین اور پلاسٹک کی کیمیائی ترکیب میں صرف عناصر کے تناسب کا فرق ہے — چنانچہ بکٹیریا پلاسٹک کھانے والے ہیں — میں نے کسی ثبوت کے بغیر ایک نظریہ قائم کیا تھا اور اس پر تجربات کئے۔ نظریہ درست ثابت ہوا اور بکٹیریا کی یہ قسم دریافت ہو گئی۔ کسی ایک بکٹیریا کو دوسرے سے الگ کرنا اور ان کی خصوصیات معلوم کرنا کسی نظریہ پر کام کئے بغیر ناممکن ہوتا ہے۔“

”تم نے انہیں دیکھا۔۔؟“ سکیلن نے پوچھا۔

”ہاں۔“ وہ اٹھا اور الیکٹرونک مائکرو اسکوپ والے کمرے کی طرف بڑھا۔ انہوں نے دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا۔ ہوشان نے شیشے کا چھوٹا سا ٹکڑا اسپرٹ لیمپ پر گرم کیا۔ پھر ایک پلاٹینم کے تار کو چند سیکنڈ تک شعلے میں رکھ کر اس سے ڈسٹلڈ واٹر کا ایک قطرہ شیشے پر ٹپکایا۔ اسی تار کو اس نے پلاسٹک کھانے والے بکٹیریا کی شیشی میں ڈالا اور محلول کا ایک قطرہ شیشے کے ٹکڑے پر ڈال دیا۔ اس کا رنگ دھندلا پڑ گیا۔ اس چوکور شیشے کو اس نے الیکٹرونک مائکرو اسکوپ کے ایک خانے میں ڈال دیا۔ پھر اس نے مختلف سوئچ دبائے اور دیوار پر ایک ٹی وی اسکرین روشن ہو گیا۔ اس پر لہریں سی پیدا ہونے لگیں۔ ہوشان نے مختلف بٹن گھما کر اسکرین کی روشنی کو کنٹرول کیا یہاں تک کہ ساری لہریں غائب ہو گئیں پھر ایک بٹن دباتے ہی اس پر نقطے سے نظر آنے لگے۔ سیاہ اور حرکت کرتے ہوئے ہوشان نے بٹن گھما کر انہیں فوکس کیا — نقطے آگے آنے لگے اور بڑے ہوتے گئے یہاں تک کہ اسکرین پر چند کیل کی طرح کے چھوٹے چھوٹے متحرک اجسام رہ گئے۔ بکٹیریا۔ جنہیں الیکٹرونک مائکرو اسکوپ دس لاکھ گنا بڑا کر کے اسکرین پر دکھا رہا تھا۔ ہوشان نے بٹن دبایا اور اسکرین تاریک ہو گیا۔

”اب میں انہیں کچھ کھانے کو دوں گا — یہ مائع پلاسٹک ہے۔“ ہوشان نے ایک شیشی میں بھورے زرد محلول کو ہلاتے ہوئے کہا۔ ”خالص پلاسٹک۔“ شیشے کے ٹکڑے کو اس نے مائکرو اسکوپ سے باہر نکالا۔ پلاٹینم کے تار کو گرم کر کے ٹھنڈا کیا اور مائع پلاسٹک میں ڈبو کر ایک قطرہ شیشے کے درمیان میں ٹپکا دیا اسے فوکس کئے ہوئے مائکرو اسکوپ میں ڈالا کر جیسے ہی اس نے سوئچ آن کیا روشن اسکرین پر بکٹیریا میں تیزی سے تبدیلی آنے لگی۔ وہ مائع پلاسٹک کے گرد جمع ہو گئے۔ ہر بکٹیریا کے دوسرے کنارے پر بھی کیل کی طرح سر پیدا ہو گیا۔ پھر وہ درمیان سے ٹوٹ گیا۔ ان دو کیلوں کے بھی سر نمودار ہوتے اور یہ کھنچ کر درمیان سے ٹوٹ گیا۔ ایک سیکنڈ میں صرف ایک بکٹیریا کے چار بن گئے تھے اور یہی عمل تیزی سے جاری تھا۔ اسکرین پر ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ پورا اسکرین سیاہ ہو گیا۔ پلاسٹک ملتے ہی بکٹیریا میں افزائش نسل کا عمل شروع ہو گیا تھا۔

”میرا خیال ہے رائٹ کو بھی بلا لیں۔“ سکیلن نے فون اٹھاتے ہوئے کہا۔

✖✖✖

ہنگامی حالات کے نفاذ کے بعد فوج کے ایک بریگیڈیر نے لندن کے اس حصے کا انتظام سنبھال لیا جہاں دھماکوں کی اور آگ لگنے کی وارداتیں زیادہ ہوتی تھیں۔ اگرچہ شہر کے باقی حصے میں بھی پلاسٹک کی

خرابی بہت سے حادثات کا سبب بن چکی تھی لیکن وہ علاقے زیادہ تر مضافات میں تھے۔ بریگیڈیئر نے فوری طور پر ایک کانفرنس طلب کی اور انتظامی امور سے متعلقہ فیصلے کئے۔ اس نے اس مسئلے کے طبی پہلو کی نگرانی ڈاکٹر فرینک ڈیل کے سپرد کی۔ پولیس اور ٹریفک کے معاملات ہالینڈ کے حوالے کئے اور متاثرہ علاقے میں امدادی کام کا نگران ڈاکٹر مائی لینڈ کو بنادیا فوجی دستوں کی نقل و حرکت اور احکامات جاری کرنے کی ذمہ داری اپنے پاس رکھی۔ یہ سب لوگ سنجیدہ مزاج اپنے اپنے کام کے ماہر اور پچاس سال سے زائد عمر کے تھے۔ اس نے پہلے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا "حضرات۔ یہ بیماری یا وبا۔ ایک میل قطر میں زیادہ شدت اختیار کر چکی ہے اور شہر کے باقی علاقوں کا تحفظ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ متاثرہ علاقے کو شہر سے کاٹ دیا جائے۔ آج دوپہر سے فوجی دستے ناکہ بندی شروع کریں گے اور رات گیارہ بجے تک یہ کام مکمل ہو جائے گا۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ بیماری یا وبا۔ یا مصیبت اگر سارے لندن میں پھیل گئی تو ساری دنیا میں پھیل جائے گی۔ چنانچہ متاثرہ علاقے سے باہر یا اس کے اندر آنے جانے پر مکمل پابندی ہوگی اور نقل و حرکت محدود کردی جائیگی۔ بجلی کے نظام کی خرابی فوری طور پر دور نہیں ہو سکتی چنانچہ ملٹری کے جنریٹر تھوڑی بہت بجلی سپلائی کریں گے تاکہ گھروں میں بیمار اور بوڑھے سردی سے نہ مر جائیں۔۔۔ یہ وبا کیا ہے۔۔؟ اس پر ڈاکٹر فرینک ڈیل روشنی ڈالیں گے۔"

ڈاکٹر فرینک ڈیل تک ابھی پلاسٹک کھانے والے بکٹیریا پر گیرارڈ کی دریافت یا یوشان کی تحقیق کے نتائج نہیں پہنچے تھے چنانچہ وہ بھی کسی ثبوت کے بغیر یہ کہنے پر مجبور تھے کہ یہ بکٹیریا کی کوئی نئی قسم ہے جو پلاسٹک کھاتی ہے اور اس کے نتیجے میں جو گیس فاضل مادے کے طور پر خارج کرتی ہے وہ میتھین اور اسی قسم کے ہائیڈرو کاربن پر مشتمل ہونے کی وجہ سے آگ پکڑ لینے کی زبردست صلاحیت رکھتی ہے اور جہاں یہ گیس جمع ہو وہاں ایک چنگاری خواہ وہ پلاسٹک اترے ہوئے تاروں کے آپس میں ملنے سے پیدا ہو یا ماچس کی تیلی سے دھماکے کا سبب بن جاتی ہے۔ چونکہ اس نے ابھی تک انسانوں کو نقصان نہیں پہنچایا ہے اس لئے حفاظتی ٹیکے کی ضرورت نہیں لیکن بکٹیریا کو تباہ کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر اینٹی بائیوٹک اور جراثیم کش ادویات کا استعمال کیا جائیگا۔ کہیں بھی یہ بکٹیریا نقصان پہنچاتے نظر آئیں تو اس کی اطلاع ہنگامی مراکز کو دی جائیگی۔

"دوسرا مسئلہ اس علاقے سے لوگوں کا انخلا ہے" ہالینڈ نے کہا۔ "یہ کام اسی طرح ہوگا جیسے جنگ یا وبائی امراض پھوٹ پڑنے کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ پہلے ان لوگوں کو نکالا جائے گا جو یہاں نہیں رہتے یا نوکری وغیرہ کے لئے باہر جانے پر مجبور ہیں۔ پھر بیماروں کو۔ ہنگامی قوانین کے تحت ہم نے مضافات کے تمام خالی مکان اور ہوٹل حاصل کر لئے ہیں کیونکہ جو لوگ ایک بار متاثرہ علاقے سے نکل جائیں گے وہ ہنگامی حالات ختم ہونے تک واپس نہیں جائیں گے۔ مضافات کے اسکولوں کو ہسپتال بنالیا جائے گا اور تمام پرائیویٹ ڈاکٹر ہماری تحویل میں ہوں گے۔ یہ مرحلہ نصف شب تک مکمل ہو جائے گا۔ بقیہ لوگ آئندہ دو دن میں منتقل کر دیئے جائیں گے لیکن باہر جانے سے پہلے ہر شخص کا طبی معائنہ ہوگا جس کی تفصیلات ڈاکٹر مائی لینڈ بتائیں گے۔ لوگ گھروں میں رہیں گے۔ گلیاں اور سڑکیں صرف ہمارے استعمال کے لئے رہیں گی۔ یعنی فوجی دستے اور امدادی کام کرنے والوں کے لئے۔ ان حالات میں جرائم زیادہ ہونے کا بھی امکان ہے۔ ممکن ہے لوگ احتجاج یا مظاہرے کریں۔ ان سے ہنگامی قوانین کے تحت نمٹا جائیگا کسی خالی مکان یا دکان میں چوری کرتے ہوئے پکڑے جانے والے کو موقع پر گولی مار دی جائے گی۔" ہالینڈ بیٹھ گیا اور ڈاکٹر مائی لینڈ نے اس کی جگہ لے لی۔

"متاثرہ علاقے سے باہر جانے والے ہنگامی مراکز میں رپورٹ کریں گے جو اس نقشے میں دکھائے گئے ہیں" اس نے دیوار پر پھیلے ہوئے ایک ایسے نقشے کو لکڑی کی چھڑی سے چھوا جس پر سرخ نشانات لگے ہوئے تھے۔ "وہ پرانے کپڑے اتار دیں گے۔ نہ اپنے ساتھ کوئی چیز لائیں گے نہ لے جائیں گے۔ خصوصاً پلاسٹک کی۔ انہیں دوسرے کپڑے دیئے جائیں گے جو مضافات میں رہنے والے دھو کر ابال کر فراہم کریں گے۔ ہر گھر سے ایک جوڑا۔ یہ کپڑے پہننے سے پہلے وہ جراثیم کش ادویات ملے پانی سے غسل کریں گے۔ ایکسرے مشین کے سامنے سے گذریں گے۔ اس علاقے میں رہنے والے اگر کہیں پلاسٹک کو گلتا پگھلتا دیکھیں گے تو خود کچھ نہیں کریں گے۔ ہنگامی مراکز پر اطلاع دیں گے۔ گندا اور استعمال شدہ پانی گھر سے باہر نہیں جائیگا۔ پانی صرف کھانے پکانے اور پینے میں استعمال ہوگا۔ جسم کی صفائی کیلئے تولیے سے کی جائیگی۔ فضلے کو پولی تھین کے بیگ میں جمع کیا جائیگا اور صفائی کرنے والے دستے اسے شہر سے باہر لے جاکر جلادیں گے۔"

ایک گھنٹے بعد یہ اعلانات ریڈیو ٹی وی اور پولیس کی گاڑیوں پر لگے ہوئے لاؤڈ اسپیکرز سے نشر کئے جارہے تھے اور شہریوں کو مکمل ہدایات چھپی ہوئی صورت میں فراہم کی جارہی تھیں جن میں نقشے بھی شامل تھے سرخ ٹوپیاں پہنے فوجی دستے قطار اندر قطار گاڑیوں سے اتر کر ہدایات کے مطابق پوزیشن سنبھال رہے تھے انہوں نے آنے جانے والی ساری ٹریفک روک کر گلیوں اور سڑکوں کے سروں پر لوہے کے کھمبے گاڑ دیئے جن سے صرف پیدل جانے والے گذر سکتے تھے اور ان کے سامنے سفید سائن بورڈ لگادیئے جن پر سرخ حروف میں "داخلہ ممنوع ہے" لکھا تھا۔ آہستہ آہستہ گاڑیوں کی نقل و حرکت متاثرہ علاقے میں مکمل طور پر رک گئی۔ صرف پیدل چلنے والے رہ گئے جو تیز تیز قدموں سے گھروں کا رخ کر رہے تھے۔ اعلانات کے باوجود کہ کھانے پینے کی چیزیں فوج فراہم کریگی دکانیں خالی ہوگئیں۔

لیکن ان سب انتظامات سے بے نیاز بکٹیریا پلاسٹک کی تھیلیوں میں۔ پلاسٹک کے پیالوں ہینڈ بیگ اور مردوں کے کنگھوں بچوں کے کھلونوں۔ پانی گیس اور سیوریج کی لائنوں میں ہوا کے ساتھ ہر جگہ پہنچنے کی کوشش کر رہے

تھے۔ لندن کی انڈر گراؤنڈ ریلوے بند پڑی تھی ٹیلیفون بیکار ہو چکے تھے اور بجلی کے ساتھ گیس اور پانی کی فراہمی بھی متاثرہ علاقوں میں رک گئی تھی۔ سڑک پر ایک بوڑھے آدمی کے چشمے کا فریم پگھل گیا اور عینک کے گرتے ہی شیشے ریزہ ریزہ ہو گئے۔ یونیورسٹی کالج ہسپتال میں ایک نرس وینڈا کرٹس بے بسی سے پلاسٹک کی اس ٹیوب کو گھلتا ہوا دیکھ رہی تھی جس سے قطرہ قطرہ خون ایک مریض کے جسم میں داخل ہو رہا تھا لندن کے ہیتھرو ایئر پورٹ پر ریڈیو کنٹرول روم میں آپریٹر اپنے ہاتھ میں ایک انچ قطر کا گول بٹن لئے بیٹھا تھا۔ اس سے وہ کچھ دیر پہلے جہازوں کے لئے سگنل کی فریکوینسی کنٹرول کر رہا تھا لیکن اب وہ اس کے ہاتھوں میں چپک کر کنٹرول پینل سے الگ ہو گیا تھا۔

صنعتی ضروریات کے لئے استعمال ہونے والا ایک زہریلا مادہ پلاسٹک کے بڑے بڑے ڈرموں میں بھر کر ایک ٹرک کے ذریعے دوسرے شہر لے جایا جا رہا تھا۔ ڈرائیور سیٹی بجا رہا تھا اور ڈرم کے سوراخ سے اس زہریلے مادے کی ایک لکیر پیچھے سڑک پر بنتی جا رہی تھی۔

شہر کی تمام دیواروں پر ہنگامی کانفرنس کے فیصلے احکامات اور عدم تعمیل کی سزا کے پوسٹر چسپاں تھے۔

اللہ کی مہر

راجا مان سنگھ کو قرآن مجید پر کافی دسترس حاصل تھی۔ وہ ہمیشہ بزرگوں، درویشوں اور فقیروں کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا تھا۔ اس میں ہندو مسلمان کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ سفر بنگال کے دوران ایک مقام پر مشہور بزرگ شاہ دولت کے اوصاف و کمالات سنتے۔ خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ دولت، راجا مان سنگھ کی پُر مغز اور عارفانہ گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور کہا کہ مان سنگھ، جب تو اتنے اچھے خیالات رکھتا ہے تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا۔ راجا مان سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا "ختم اللہ علی قلوبہم خدا کی مہر ہے۔ بندہ اس مہر کو ہٹانے کی گستاخی کیسے کر سکتا ہے"۔

جمیلہ، شکیلہ۔ جہانیاں منڈی

✕✕

متاثرہ علاقے کے ایک شہری جیک بیلی کے گھر میں دو موم بتیاں جل رہی تھیں اور وہ کمبل اوڑھے کرسی پر نیم دراز تھا۔ سرد ہوا کے ایک جھونکے سے دروازہ کھل گیا۔ اس نے اٹھ کر مغلظات مار کر اسے بند کر دیا۔ "ابھی تو گیس آ رہی ہے۔" اس کی بیوی میری نے کافی کے دو کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "جب تک جلتی ہے جلنے دو۔ کچھ تو گرم ہو گا کمرہ۔" جیک نے کہا۔ ریڈیو اور ٹی وی بند پڑے تھے اور باہر نکلنے پر پابندی تھی۔

"یہ لو۔" اس نے جیب سے بہت سے سکے نکالتے ہوئے کہا۔ "ایک ایک شلنگ ڈالتی جاؤ۔" ایک شلنگ میٹر میں ڈالنے سے گیس بارہ گھنٹے اور بجلی چھ گھنٹے چل جاتی تھی۔ میری نے سلائیاں اور جیک نے اپنے ہاتھ میں ایک کتاب تھام رکھی تھی۔ انہیں اس بات کا ذرا بھی علم نہ تھا کہ باورچی خانے میں گندے پانی کی نکاسی کے پائپ میں لگی ربڑ لائن سے جھاگ دیتے ابلتے پگھلے ہوئے پلاسٹک کے ساتھ بہہ پڑا اور چڑھ کر بیسن میں یہ رقیق مادہ واش بیسن میں بہہ گیا اور چھلک کر فرش پر گرا چند قطرے پلاسٹک کے شیلف پر پڑے جس میں فوراً بلبلے نمودار ہو گئے جو بلبلا پھٹتا تھا اس کے چھینٹے۔ ننھے منے قطرے اردگرد دوسری چیزوں پر پڑتے تھے وینائل وال پیپر گل گیا۔ پلاسٹک کی بنی ہوئی بوتلیں بکھرنے لگیں۔ ان پر لکھے ہوئے "کافی۔ چائے۔ چینی۔ نمک وغیرہ کے حروف غائب ہو گئے۔ پولی تھین کے جگ میں رکھا ہوا کسٹرڈ پگھلتے ہوئے پلاسٹک کے ساتھ بہنے لگا۔ کھانے کی میز پر پھیلا ہوا پھولدار پلاسٹک داغدار ہو گیا اور جگہ جگہ سے کٹنے لگا۔ سوراخ بڑے ہوتے گئے۔ بجلی کا سوئچ پگھل گیا۔ جیک کی ناک میں اس کی بو پہلے آئی۔ اس نے کتاب ایک طرف رکھ دی۔

موم بتی اٹھا کر وہ باورچی خانے کی طرف چلا۔ میری اس کے پیچھے تھی۔ "گیس بند کر دو"۔ جیک نے کہا۔ میری نے کانپتے ہاتھوں سے تعمیل کی جیک نے دروازہ لاک کر دیا۔ "اسے کھولنا نہیں ہے"۔

"میں رپورٹ کرنے جا رہا ہوں۔ ہنگامی مرکز میں۔" اس نے واپس کمرے میں آتے ہوئے کہا۔

"مجھے اکیلا چھوڑ کر؟ میں بھی ساتھ چلوں گی۔" میری نے اس کا بازو تھام کر کہا۔

"دماغ خراب ہے۔ باہر سخت سردی ہے۔" جیک نے کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔

"ہونے دو۔ میں تنہا اس اندھیرے گھر میں نہیں رہ سکتی وہ مجھے بھی کھا جائیں گے۔" میری نے کہا۔

"ابھی تک انہوں نے لندن میں کسی کو کھایا ہے؟" جیک نے اسے پیچھے دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔ بیس منٹ بعد وہ لوٹا تو میری اکیلی کھلی کھڑکی سے آنے والی سرد ہوا میں کھڑی کانپ رہی تھی۔ اس کے پیچھے بھاری قدموں کی دھمک سنائی دی۔ مکمل طور پر ربر کا لباس پہنے جو سر سے پیر تک سیاہ تھا مگر جس میں دیکھنے کے لئے شفاف شیشے کی آنکھیں سی بنی ہوئی تھیں۔ تین آدمی اندر آ گئے۔ ان کے خود پر لکھا تھا "کنٹرول یونٹ" ایک کے ہاتھ میں اوزاروں کا تھیلا تھا دوسرے کے ہاتھ میں ربر کی نلکی اور کمر پر آہنی سلنڈر۔ تیسرے کے پاس بیٹری تار اور چھوٹا سا ویلڈنگ سیٹ تھا۔ کسی سے کچھ کہے بغیر ایک نے لوہے کے پائپ کو کیم اور لوہے

کی کیپ چڑھا کر ویلڈ کر دیا۔ دوسرے نے باورچی خانے سے پلاسٹک کی ہر چیز بیچ میں ڈھیر کردی۔ کراکری اور کٹلری سمیت۔ تیسرے نے ادویات کو پمپ سے چھڑکنا شروع کیا۔ ہر کی چھولو دیواروں اور الماریوں پر پڑتے ہی وال پیپر پانی بن گیا۔ پلاسٹک کے تمام برتن غائب ہو گئے۔ پھر وہ دوسرے کمروں میں گئے اور ہر چیز تباہ کردی۔ پلاسٹک کے پھول۔ وال لائٹس۔ آرائشی گلدان۔ مجسمے۔ جیک اور میری کو باہر نکال کر انہوں نے تمام دروازوں کی دہلیز کے ساتھ ساتھ کوئی کیمیائی مادہ چھڑک کر زور سے دروازہ بند کر دیا۔ چابی انہوں نے جیب میں ڈال لی۔ جیک خاموشی سے ان کے ساتھ چل پڑا لیکن میری کو انہیں گھسیٹنا پڑا اس کی لاتیں بھی اور گالیاں کھانی پڑیں۔ انہیں ایک چھوٹی سی وین میں بند کر دیا گیا اور وین چل پڑی۔

"میرا گھر۔ مجھے میرے گھر جانے دو" وہ فرش پر پڑی سسکیاں لیتی رہی۔ جیک نے اسے نرمی سے اٹھایا "میری۔ ہم اپنے گھر ضرور جائیں گے۔ ہم اسے پھر بنالیں گے۔ پہلے سے بھی اچھی طرح سجائیں گے۔ کم آن"

○○○○

متاثرہ علاقے کا ایک اور شہری ہیری منزدل تھا۔ اس نے بھی یہ اطلاعات سنی تھیں اور سارے اشتہار پڑھے تھے اور صورت حال سے پوری طرح آگاہ ہونے کے باوجود کامل اطمینان اور سکون سے اپنے فلیٹ میں بیٹھا تھا۔

قیمتی ساز و سامان سے آراستہ کمرے میں وہ تنہا تھا۔ لباس اور انداز و اطوار سے وہ بے حد معزز اور معتبر نظر آتا تھا۔ لندن میں اس کے دو کلب تھے اور جوتوں کی چھ دکانیں مختلف مقامات پر۔ وہ باقاعدگی سے انکم ٹیکس ادا کرتا تھا اور لندن پولیس کے ریکارڈ میں اس کا نام دس سال پہلے ایک معمولی سی چوری کے سلسلے میں ضرور آیا تھا مگر اس کے بعد وہ ایک عام شہری کی طرح رہا یہاں تک کہ وہ ریکارڈ بھی تلف کر دیا گیا۔

دس سال قبل وہ فوج میں تھا۔ اس کا شمار نڈر اور خطرات سے کھیلنے والے سپاہیوں میں ہوتا تھا اور وہ موت سے اتنا بھی نہیں ڈرتا تھا جتنا جوہے سے۔ کوریا کی جنگ میں اس نے اپنی یونٹ کے کمانڈنگ آفیسر کو گولی مار دی جس نے ایک کوریائی لڑکی کو اس جرم میں شوٹ کر دیا تھا کہ وہ ممنوعہ علاقے میں کالی رات کو مشتبہ طور پر گھومتی ہوئی پائی گئی اور سنتری کے روکنے پر بھاگ اٹھی۔ ریکارڈ میں یہی تھا لیکن اس لڑکی کا اصل جرم یہ تھا کہ وہ ہیری سے شادی کرنا چاہتی تھی اور کرنل کے لئے ہیری کو منع کرنا زیادہ مشکل تھا۔ فرار ہو کر وہ وطن واپس پہنچا اور ایک رات پستول لے کر کرنل کے گھر میں کود گیا۔ دو گھنٹے پہلے اس نے ایک پٹرول پمپ سے دس ہزار ڈالر لوٹے تھے "میں نے تمہارے شوہر کو قتل کیا تھا" اس نے خوف سے زرد لرزتی ہوئی عورت کو جگا کر کہا "کیوں کہ اس نے میری بیوی کو مار دیا تھا" وحشت زدہ عورت اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

"پھر۔؟.... کیا یہ کافی نہیں۔؟" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں.... اصولاً مجھے بھی اس کی بیوی کو مار دینا چاہئے تھا۔ اس کو نہیں۔ تاکہ وہ زندگی بھر اسی عذاب کو جھیلتا جو میں جھیل رہا ہوں" اس نے اونچی آواز میں کہا۔

"ممی" دوسرے کمرے سے ایک بچے کی آواز سنائی دی "کیا ڈیڈی واپس آگئے ہیں"

"نو.... نو.... یس.... یس ڈیئر" اس کی ماں نے مشکل سے کہا۔

"ہلو ڈیڈی" دروازے میں ساڑھے تین سال کا صحت مند بچہ خواب آلود نیلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جب اس کا باپ گیا تو یہ.... چھ مہینے کا تھا.... میں نے کہا.... کہیں یہ شور نہ مچائے" اس کی ماں نے کہا۔

"یہ پستول آپ میرے لئے لائے ہیں" بچے نے پراشتیاق نظروں سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھوں میں پستول کانپنے لگا "معاف کرنا بیٹے۔ میں بھول گیا" اس کا ہیرے سے سخت دل پھول کی پتی سے کٹ گیا تھا۔ وہ پستول جیب میں ڈال کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے بچے کے چھوٹے سے معصوم چہرے کو اپنے کھردرے ہاتھوں کے پیالے میں تھام لیا "مجھے معاف کر دینا بیٹے۔ صبح تم اپنی ممی کے ساتھ جا کر بہت سے کھلونے لے آنا مگر پستول نہیں۔ یہ لو" اس نے دس ہزار ڈالر کے نوٹ اس کے سامنے ڈھیر کر دیئے "مجھے واپس جانا ہے" اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ پھر دروازے کی طرف بڑھا۔ عورت پتھر کے بت کی طرح کھڑی رہی۔ پھر اس نے بچے کو گود میں اٹھایا اور اس کے پیچھے باہر نکل آئی "ڈیڈی کو خدا حافظ کہو بیٹے" عورت نے آنسو روکتے ہوئے کہا۔ "بائی بائی ڈیڈی" اس نے اپنا ننھا سا ہاتھ ہلایا۔ مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ چوری کے جرم میں اسے ایک سال کی سزا ہوئی۔ اب وہ ایک پیشہ ور مجرم تھا۔ ذہین اور ٹھنڈے دماغ والا۔ مگر وہ چھوٹا سا ہاتھ کبھی کبھی اس کے دل کو جکڑ لیتا تھا "بائی بائی ڈیڈی"

اس نے فون اٹھایا۔ خلاف توقع لائن مل گئی "سوری۔ ہلو۔ میں ہیری بول رہا ہوں۔ ریڈیو سن رہے ہو نا" وہ ہنسا "ہاں۔ حالات تو واقعی خراب ہیں مگر میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔ ہاں۔ ایک خیال آیا ہے مجھے۔ الفورڈ کہاں ہے۔ گڈ۔ تم دونوں آجاؤ۔ ہاں ابھی" فون بند کر کے وہ اپنے کمرے میں آیا۔ ڈبل بیڈ کو گھسیٹا۔ قالین ہٹایا۔ اس کے نیچے فرش کا ایک ٹائل ہٹا کر کپڑوں میں لپٹا ہوا ایک بنڈل نکالا۔ ایک اسٹین گن اور دو ریوالور۔ بالکل صاف۔ ایک ایک پرزے میں تیل دیا ہوا۔ دونوں ریوالور جیب کے اس نے اسٹین گن کا ایک پورا راؤنڈ میگزین کمر پہ بیلٹ کی طرح باندھ لیا کمرے کی ہر چیز کو اس نے پھر پہلے کی طرح کر دیا۔ دروازے پر دستک ہوتے ہی وہ باہر نکل آیا۔

"ساری چیزیں لائے ہو نا۔؟" اس نے کہا

شہد ایک نہایت سریع الاثر قوت بخش جزب ہے۔ اسکی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے ہی اس کا ۹۹ فی صد حصہ "ہضم شدہ" ہوتا ہے۔ یہ معدے میں پہنچتے ہی جزو [illegible] بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فوری قوت و توانائی بخشتا ہے۔ پھر قدرتی طور پر ملنے والا واحد کاربوہائیڈریٹ بھی ہے۔ اس کے استعمال سے جسم میں چربی بھی پیدا نہیں ہوتی۔ قدیم یونان کے کھلاڑی اولمپک مقابلوں میں شرکت کے لئے تیاری کرتے وقت خوب شہد کھایا کرتے تھے آج بھی کوہ پیما اور تیراک التزاماً شہد استعمال کرتے ہیں۔ یورپ کے معالجین نے قدماء کے تجربات کی روشنی ہی میں شہد کو بطور دوا تجویز کرنا شروع کیا۔

❖❖❖

"ہاں۔ جانا کہاں ہے۔؟" ایک نے پوچھا

"برلورا سٹریٹ۔ گرانڈ جیولرز" گلی میں ابھی لوگوں کی آمد رفت جاری تھی مگر دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ ہیری نے فٹ پاتھ کی برف پر بنے ہوئے قدموں کے نشانوں کو تھوڑی سی تشویش سے دیکھا۔

گرانڈ جیولرز کی دکان کا فولادی دروازہ بند تھا اور ادھر ادھر فلیٹوں میں بھی روشنی نہیں تھی۔ سولی نے اپنا کام شروع کیا۔ وہ بیس گز دور ایک کونے میں مشین گن تھامے کھڑا رہا۔ اب تک کبھی اس کو چلانے کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن مقابلہ اب اسی جیسے نوجیوں سے تھا۔ الفورڈ دوسرے کنارے پر بظاہر بے نیازی سے ایک دروازے میں کھڑا سیٹی بجا رہا تھا۔ رات کے سناٹے میں سولی کی ڈرل مشین کی آواز کچھ زیادہ ہی آرہی تھی۔ تین منٹ کے طویل وقفے میں ہیری جیسے شخص کو پسینہ آگیا۔ پھر سولی کی سیٹی سنائی دی اس نے مشین گن کو اوورکوٹ کے اندر چھپایا۔ ہیٹ آنکھوں سے ذرا اوپر تک جھکایا۔ کوٹ کے کالر کھڑے کئے اور الفورڈ کے ساتھ دکان میں داخل ہوگیا۔ دروازے کو انہوں نے پھر بند کر دیا "کوئی ہے۔؟" الفورڈ نے اونچی آواز میں کہا ــــ ٹارچ کی روشنی میں انہوں نے ہر کونے کو دیکھ لیا۔ اندر کوئی نہیں تھا۔ اب الفورڈ کا کام شروع ہوا۔ اس نے جیب سے بجلی کا تار کاٹنے والی پلاس پیچ کش۔ وولٹ میٹر اور ڈیٹونیٹر نکالے "تاروں میں بجلی نہیں ہے" اس نے پہلی اطلاع دی۔ پھر وہ سیڑھیوں سے نیچے تہہ خانے میں اتر گئے "سیف میں کرنٹ نہیں ہے" یہ دوسری اطلاع تھی۔ ہیری نے سر ہلایا "کوئی بیٹری الارم بھی نہیں ہے" اس نے احتیاطاً سارے کنکشن کاٹتے ہوئے کہا۔ اس تصدیق کے بعد سولی نے پھر اپنا کام شروع کیا۔ دو گھنٹے بعد تجوری کھل گئی۔ اس کے اندر ایک فولادی خانہ تھا جو کنکریٹ کی دیوار میں نصب تھا۔ سولی نے اس میں چھ چھ انچ گہرے چار سوراخ کئے ان میں الفورڈ نے چار ڈائنا مائٹ اسٹک لگا کر تاروں سے ان کے کنکشن جوڑے۔ دو تاروں کو فرش پر پھیلاتا ہوا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ آخری سیڑھی لوہے کی جالی کے پاس تھی جو روشندان میں لگا ہوا تھا۔ دونوں تاروں کو اس نے بیٹری کے پول سے جوڑ دیا "تم دونوں سیڑھی کے نیچے ہو جاؤ" ہیری اور سولی کنکریٹ کے زینے کے نیچے ہو گئے "او کے ہوائے۔ ریڈی" الفورڈ نے کہا اور دونوں تاروں کو آپس میں ملا دیا۔ ایک دھماکہ ہوا۔

"جلدی کرو۔ وہ آنے والے ہوں گے" الفورڈ نے خانہ میں ہاتھ ڈال کر دو تھیلیاں ہیری کی طرف اچھال دیں ابھی وہ سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچے ہی تھے کہ پوری عمارت ایک دھماکے سے اڑ گئی۔ گرد اور ملبے میں الفورڈ کی آخری چیخ دب گئی۔ ہیری کو جیسے کسی نے اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ اندھیرے مکانوں کی کھڑکیوں سے کوئی سر نہ نکلا۔ ہیری کپڑے جھاڑ کر اٹھا۔ اسٹین گن اس کے قریب ہی پڑی تھی اور اس کے جسم پر معمولی چوٹوں اور خراشوں کے سوا کچھ نہ تھا "سولی" اس کی آواز سناٹے میں گونجی۔" ہیری" پچاس گز دور اس نے سولی کو لڑکھڑا کر کھڑا ہوتے اور اپنی سمت بڑھتے دیکھا اور وہ ایک تاریک زینے میں چھپ گیا۔

اسی وقت گلی کے دونوں کناروں سے فوجی ٹرک نمودار ہوئے سپاہی کود کر اترے اور انہوں نے تباہ شدہ عمارت کے گرد مشین گن سنبھال کر پوزیشن لے لی۔ وہ چھ آدمی تھے۔ ساتواں ایک نوجوان کیپٹن تھا۔ مشین گن لئے وہ ملبے کے اوپر چڑھا اور اندر اتر گیا۔ اس کے پیچھے تین سپاہی چلے گئے۔ ہیری چھپا ہوا ساری کارروائی دیکھتا رہا سولی اس سے تقریباً پچیس گز دور دیوار سے لگا کھڑا تھا "احمقوں کی طرح مت کھڑے رہو۔ اوپر کے فلیٹ دیکھو" نوجوان کیپٹن نے واپس آ کر کہا۔ سپاہی سیڑھیاں چڑھ کر غائب ہو گئے۔ ہیری نے جیب سے دستی بم نکالا اور دانتوں سے اس کی پن نکال کر پوری قوت سے مخالف سمت میں پھینک دیا۔ پچیس گز دور جہاں سولی کھڑا تھا۔ ملبے کے پیچھے۔ اس کے جسم کے پرخچے اڑ گئے۔ وہ پوری عمارت باقی عمارتوں سے کٹ گئی تھی۔ دو منزلہ عمارت جس کے اوپر کی منزل میں بھی ایک فرم کا دفتر تھا۔ نوجوان کیپٹن دوڑتا ہوا ادھر گیا جہاں دستی بم پڑا تھا مگر وہاں بھی صرف ملبہ تھا "باہر آجاؤ۔ کون ہے" اس نے چلا کر کہا۔

"کمیں کیپٹن" ایک سارجنٹ نے کہا" اگر کوئی ہوگا تو ملبے کے نیچے"

"یس۔ پوری گرڈ لائن اڑ گئی ہے" کیپٹن نے کہا "تہہ خانے میں تجوری کے پیچھے سے"

"ملبے نے آگ بجھا دی ورنہ سب لپیٹ میں آجاتے ــــ" سارجنٹ نے کہا۔

"آگ جلائی کس نے ۔؟" کیپٹن نے سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ مال تو خالی کرایا جا چکا ہے۔"

"مالک ۔ چوکیدار ۔ یا چور" سارجنٹ نے کہا۔ "ملبہ ہٹے گا تو پتہ چلے گا۔"

"یہ دوسرا دھماکہ ۔؟" اس نے کہا "اس کی آواز تم نے غور کیا۔"

"یس سر۔ آواز دستی بم کی طرح تھی ۔ مگر جہاں ایک بار دھماکہ ہو وہاں کبھی کبھی بہت سے دھماکے ہوتے ہیں۔ ایک کے بعد ایک" سارجنٹ نے کہا۔ "سپاہی آس پاس کے فلیٹوں میں جھانک کر آ گئے تھے"

"یو آر رائٹ ۔ کنگ کراس اسٹیشن کی سرنگ میں بھی یہی ہوا تھا" اس نے جیپ میں بیٹھتے کہا۔ مگر اس کے ذہن میں ایک اور چیز تھی۔ فولادی دروازہ جو ملبے پر پڑا تھا۔ "تم ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دے کر آ جانا" اس نے سارجنٹ سے کہا جو دوسری جیپ میں بیٹھ رہا تھا۔

"آل از او کے ۔" ابھی اس کی زندگی کے دن باقی تھے ورنہ ہیری کی مشین گن ان سب کے لئے کافی تھی۔ "یس سر" سارجنٹ نے کہا۔ کیپٹن کو اس چور کے مرنے کا ذرا بھی ملال نہ تھا جس نے فولادی دروازے کے تالے کو کاٹ کر توڑ ڈالنے کی کوشش کی تھی ۔ باسٹرڈ ۔

oooo

ھندوستان کے صوبے بنگال میں ہندوؤں کے بعض فرقے ایسے بھی ہیں جن کے مرد کبوتروں سے شادیاں کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں تین کا عدد منحوس سمجھا جاتا ہے چنانچہ جو مرد تیسری شادی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، پہلے ایک مادہ کبوتر سے نکاح کرتے ہیں بعد میں اسے طلاق دے کر چوتھا بیاہ رچاتے ہیں۔

پلیٹ فارم کے آخری کنارے پر سگنل کیبن میں گیرارڈ کو ایک سایہ سا نظر آیا۔ اس نے غور سے دیکھا مگر شعلوں کی روشنی میں کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ اس نے سلیٹر کے ہاتھ سے ٹارچ لی۔ "کیبن میں کوئی ہے۔" اس نے کہا "کیبن کی سمت میں نظریں جمائے رکھیں۔ میں دیکھتا ہوں۔" وہ آہستہ آہستہ کیبن کی طرف چل پڑا۔ وہ لوہے کی زنگ خوردہ سیڑھی پر چڑھ کر جو کوڑے جیسے کیبن میں پہنچا۔ شیشے سب ٹوٹے پڑے تھے اور لیور جام ہو گئے تھے۔ ایک دیوار پر ریلوے لائن کا نقشہ لٹکا ہوا تھا۔ پچھلی دیوار میں لکڑی کا ایک دروازہ تھا جس پر آڑے ترچھے تختے لگا کر کیلیں ٹھونک دی گئی تھیں۔ ایک امید پھر پیدا ہوئی۔ شاید دروازہ کہیں لے جائے۔ اس نے دروازوں سے منہ لگا کر دیکھا۔ دوسری طرف بھی اندھیرا تھا مگر ٹھنڈی ہوا تیزی سے اندر آ رہی تھی۔ تختوں کا توڑنا کیا مشکل ہے۔ اس نے سوچا۔ پیچھے سے کسی کے تیز تیز سانس لینے کی آواز سن کر وہ اچانک پلٹا مگر اس کے سر پر کوئی چیز پڑی وہ کچھ نہ دیکھ سکا اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔ آنکھ کھلی تو وہ آگ کے قریب پلیٹ فارم پر لیٹا تھا۔ سر میں شدید درد تھا اور منہ میں خون کا ذائقہ۔ اس کے بالوں میں بھی خون چپکا ہوا تھا۔ "مجھے کیا ہوا تھا ۔؟" گیرارڈ نے پوچھا۔

"معلوم نہیں ۔ شاید تم گر پڑے تھے۔" ایمی نے کہا۔ "کوئی لیور وغیرہ لگ گیا تمہارے سر میں۔"

"نہیں ۔ ۔ ۔ سے یاد آ گیا۔ کسی نے میرے سر پر ڈنڈا مارا تھا۔"

"ہمارے سوا یہاں کون ہے ۔؟" سلیٹر نے کہا۔ "جو تمہیں ڈنڈے مارے ۔؟"

"اگر تم دونوں نے نہیں مارا تو اور کوئی ضرور ہے۔" گیرارڈ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ دو گھنٹے بے ہوش رہا تھا۔ "کیبن کے اندر پچھلی دیوار میں لکڑی کا بند دروازہ ہے۔" گیرارڈ نے کہا۔ "میرا خیال ہے ہم اسے توڑ سکتے ہیں۔"

"توڑ تو نہیں سکتے جلا سکتے ہیں۔" ایمی نے کہا۔ "توڑنے کے لئے ہمارے پاس کیا ہے۔" سلیٹر اٹھ کھڑا ہوا۔ "کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" انہوں نے دروازے کے سامنے لکڑی کا ڈھیر لگا دیا۔ پینٹ کے دو پرانے بند کنستر کھول کر انہوں نے ایک کنستر خشک لکڑیوں پر انڈیل دیا۔ پھر سلیٹر نے لائٹر سے ایک کاغذ جلایا اور اس ڈھیر پر رکھ دیا اور وہ تینوں دوڑ کر باہر نکل آئے۔ شعلے ایک دم بھڑک اٹھے۔ اس کے ساتھ ہی ایک چیخ سنائی دی اور شعلوں میں سے ایک شخص کا ہیولا نمودار ہوا۔ "پرائس!" ایمی نے چلا کر کہا۔ "وہاں کیا کر رہے ہو۔ جل جاؤ گے۔" جواب میں ایک قہقہہ سنائی دیا۔ وہ پاگل ہو چکا تھا اور الف ننگا کھڑا تھا۔ اس نے گیرارڈ پر ٹارچ پھینک کر ماری اور ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ اس کی قمیص تار تار تھی اور پتلون کے اس نے درمیان سے دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔ انہیں دو دوسرے ہاتھ میں لہرا رہا تھا۔ "پیچھے ہو جاؤ ۔ گاڑی آ رہی ہے۔" اس نے منہ سے انجن کی سیٹی کی آواز نکالی اور پلیٹ فارم کے نیچے ریل کی پٹڑی

کے پرانے راستے پر دوڑتا ہوا اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ وہ تینوں افسوس اور حیرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ دیکھتے رہ گئے۔ سلیٹر نے آگے بڑھ کر ٹارچ اٹھالی۔ اس میں سے سیل غائب تھے۔ ذرا سی دیر میں کیبن جل کر خاک ہو گیا۔ انگارے رہ گئے۔ انہوں نے اس پر ریت ڈالنی شروع کی۔ دروازے کے تختے ضرورت سے زیادہ جل گئے تھے۔ ایک گھنٹے بعد سلیٹر اور گیرارڈ نے کندھے ملا کر دھکا لگایا اور دروازے کے ساتھ دوسری طرف جا پڑے۔ اینی نے ایک پرانی ترپال کو پھاڑ کر پینٹ میں ڈبو دیا۔ اور لکڑی پر لپیٹ لیا۔ "یہ ہماری ٹارچ ہے۔" گیرارڈ نے کہا۔ آدھے گھنٹے میں اینی اور سلیٹر نے ایسی چھ مشعلیں تیار کرلیں۔ ایک کو انہوں نے روشن کرلیا اور دروازے سے گزر کر اینٹوں کے ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے جو گول سلنڈر کی طرح بلند تھا۔ عمودی سرنگ کی طرح بالکل اوپر روشنی کا دائرہ تھا جس سے تازہ ہوا اندر آرہی تھی مگر یہ سوراخ سو فٹ کی بلندی پر تھا۔ نیچے سے اوپر تک دیوار میں چھ چھ انچ کی زنگ خوردہ کیلیں لگی ہوئی تھیں۔ دیوار میں نمی سے کائی پیدا ہو گئی تھی اور اینٹوں کا رنگ سیاہی مائل سبز تھا۔

"خدا کا شکر ہے آسمان نظر تو آیا۔" سلیٹر نے کہا۔ "مگر سوال اس آسمان کو چھونے کا ہے۔" گیرارڈ نے کہا۔ "ان کیلوں کے سوا اس کنویں سے نکلنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔"

"میرے لئے تو یہ ناممکن ہے۔" اینی نے کہا۔ "میں آدھے راستے سے گر جاؤں گی۔" سلیٹر خاموش کھڑا تھا۔ "سچ پوچھو تو مجھے بچپن ہی سے ایک بیماری ہے۔ بلندی پر مجھے چکر آنے لگتے ہیں۔ میرے لئے بھی یہ ناممکن ہے۔ میں چوتھائی راستے سے گرنے کی کوشش کروں گا۔"

"رہا میں۔ تو میں زخمی ہوں۔ مگر خیر، خدا حافظ۔" اس نے دونوں ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے کہا۔ ڈرتے ڈرتے اس نے پہلی کیل پر قدم رکھا اور اس کی مضبوطی کو آزمایا۔ اس کی لمبائی صرف اتنی تھی کہ وہ اس پر ایک وقت میں صرف ایک پیر رکھ سکتا تھا۔ دوسری کیل بھی خاصی مضبوطی سے گڑی ہوئی تھی۔ ایک کیل سے دوسری کیل کا فاصلہ تقریباً چار فٹ تھا۔ وہ اپنے ہاتھ بلند کر کے آٹھ فٹ اوپر دوسری کیل کو پکڑ سکتا تھا اور اس کے سہارے اپنے بوجھ کو کھینچ کر درمیانی کیل پر پیر جما سکتا تھا۔ اس نے پہلی کیل پر قدم رکھا تو اسے تیسری کیل کا سہارا لینا پڑا۔ جب اس کے پاؤں دوسری کیل پر ٹکے تو وہ تقریباً دوہرا ہو گیا۔ پھر اس نے چوتھی کیل کو پکڑا اور لٹک کر دوسری کیل پر جم گیا۔ زمین سے آٹھ فٹ اوپر۔ اسے کل پچیس یا تیس کیلوں کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ اس کا سر پہلے ہی درد سے پھٹ رہا تھا اور جسم کا بند بند تکان سے ٹوٹ رہا تھا۔ مگر زندہ رہنے کی خواہش اور جدوجہد کا عزم باقی تھا۔ آہستہ آہستہ وہ بلند ہوتا گیا۔ چوتھائی راستہ طے کر کے اس نے نیچے دیکھا سلیٹر مشعل اٹھائے کھڑا تھا۔ روشنی کے مختصر دائرے میں وہ دونوں ننھے ننھے نظر آ رہے تھے۔ ان دونوں نے ہاتھ ہلایا اور اس نے طے کیا کہ اب وہ نیچے نہیں دیکھے گا۔ نیچے جہاں اینی کا دل پل بھر کے لئے دھڑکنا بھول جاتا تھا جب وہ ایک کیل پر اپنا بوجھ لٹکا کر دوسری کیل پر پیر جماتا تھا اور سلیٹر اینی کا زرد چہرہ دیکھتا تھا اور گیرارڈ کو قدم بہ قدم اس سے دور ہوتے دیکھتا تھا تو اس کے دل میں ایک کانٹا سا چبھنے لگتا تھا۔ "کاش میں اتنا بزدل نہ ہوتا۔ ان کے لئے کچھ کر سکتا۔" وہ اپنی عمر گزار چکا تھا۔ اس کا آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ نہ بیوی نہ بچے۔ مگر وہ اپنی باقی ماندہ زندگی کے لمحات کی قربانی بھی نہ دے سکا۔ اپنی خود غرضی پر اسے اپنی بزدلی سے زیادہ شرم آئی۔ اس نے مشعل اینی کو پکڑا دی اور مستعد ہو کر اوپر دیکھنے لگا کہ خدانخواستہ اس کا پیر پھسلے تو وہ اسے اپنے ہاتھوں میں سنبھالنے کی کوشش کرے۔ اینی کا رنگ سفید پڑ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ ان کی نظروں سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ کیا وہ اوپر تک پہنچ جائے گا۔ کیا ساری کیلیں ایک جیسی مضبوط ہیں۔ پرانی اینٹوں میں لگی ہوئی اور پرانی دیوار میں کتنی گہری گڑی ہوئی ہیں۔ اگر ایک اینٹ نکل گئی تو کیل رہے گی یا وہ بھی ساتھ ہی نکل جائے گی؟ اس خیال سے ہی اسے چکر سا آ گیا۔ اس نے دیوار کا سہارا لیا۔ اپنے سینے پر صلیب بنائی: "خداوندا مجھے صرف اتنا بتا دے کہ اس کا ہر قدم زندگی کی طرف بڑھ رہا ہے یا موت کی طرف۔" آدھا راستہ طے کر کے گیرارڈ نے پھولے ہوئے سانس کو قابو میں کرنے کے لئے دم لیا۔ دو منٹ بعد اس نے اگلی کیل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ نم آلود مٹی کے ساتھ ایک اینٹ باہر آ گئی۔ اس کا سانس رک گیا۔ اینٹ گولی کی طرح نیچے گئی۔ اس کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ نیچے دیکھے۔ پھر اینی کی ایک طویل چیخ سنائی دی۔ شاید وہ مر گئی۔ شاید اینٹ اس کے سر میں لگی اور اس کا سر پاش پاش کر گیا۔ اب وہ نیچے لیٹی ہو گی۔ خون کے ساتھ اس کا بھیجا بکھرا ہوا ہو گا۔ ایک منٹ گزر گیا نہیں۔ مجھے دیکھ لینا چاہیئے۔ ڈرتے ڈرتے اس نے نیچے نگاہ ڈالی۔ اینی مشعل اٹھائے اوپر دیکھ رہی تھی اس کے پاس سلیٹر کھڑا تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کی کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو گئی۔ وہ اوپر چڑھنے لگا۔ اب اس کے ہاتھوں میں زنگ خوردہ کیلوں سے چھالے پڑنے لگے تھے آٹھ دس کیلیں باقی تھیں۔ آسمان زیادہ روشن ہو گیا تھا۔ اگلی کیل کو پکڑنے سے پہلے اس نے کھینچ کر اس کی مضبوطی آزمانی چاہی۔ کیل اس کے ہاتھوں میں آ گئی اور پل بھر میں نیچے چلی گئی۔ اینی کی ایک اور چیخ کی بازگشت اس کے کانوں میں پہنچی۔ اس نے نیچے دیکھا۔ مشعل بدستور روشن تھی اور وہ دونوں نقطوں کی طرح مشعل کے روشن دائرے میں نظر آ رہے تھے۔ اب اگلی کیل چار فٹ پرے اور اس سے اگلی آٹھ فٹ اوپر تھی جسے وہ نہیں پکڑ سکتا تھا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے دیوار کا سہارا لیا اور چھپکلی کی طرح اس کی سطح سے چمٹ گیا یونہی پھسلتے اس نے ایک پیر اوپر اٹھایا اور کیل پر جما لیا۔ ایک ہاتھ سے اس نے درمیانی کیل کو تھام لیا۔ مگر اس طرح اس کا سینہ پچک گیا اور کنواں اس کے سامنے گھومنے لگا۔ وہ سیدھا ہو گیا۔ دیوار کا سہارا نہ تھا اس نے ایک پیر سہارا دے ڈالا اور پوری قوت سے اچھل کر اوپر والی کیل کو تھام لیا۔ اگر یہ کیل اس کے ہاتھ میں نہ آتی تو وہ ساٹھ ستر فٹ کی بلندی سے نیچے جا تا اور

تھکن کے باعث ہر کیل ایک مرحلہ بن گئی۔ رفتہ رفتہ جسم کی طاقت جواب دے رہی تھی۔ آخری تین کیلوں پر چڑھتے ہوئے آزادی کو اتنے قریب دیکھ کر اسکی ہمت عود کر آئی۔ اس نے آخری کیل پر قدم رکھا تو اسے کھلی زمین پر پھیلا ہوا آسمان نظر آیا۔ وہ ایک جست میں باہر نکل گیا اور زمین پر بے سدھ لیٹ کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ یہ ایک احاطہ تھا جس میں بہت سے بلڈوزر کھڑے تھے۔ چاروں طرف آٹھ فٹ اونچی دیوار تھی۔ لوہے کا بڑا دروازہ مقفل تھا مگر لکڑی کا ایک چھوٹا سا دروازہ اندر سے کھولا جا سکتا تھا۔ اس نے لڑکھڑاتے قدموں سے دروازہ کھولا اور لندن کی سڑک پر قدم رکھا۔ جگہ اسکی جانی پہچانی تھی۔ اس نے اپنے ذہن پر زور دیا۔ ہاں ریجنٹ پارک کے پیچھے۔ مگر؟ اس نے گھڑی دیکھی۔ پانچ بجے تھے۔ تھوڑا سا اجالا باقی تھا۔ نہیں صبح نہیں ہو سکتی۔ شام کے پانچ بجے ہیں۔ صبح پانچ بجے تو بہت اندھیرا ہوتا ہے۔ پھر یہ ویرانی کیسی۔ سڑکوں پر ٹریفک کیوں نہیں ہے۔ پارکنگ میٹر خالی کھڑے تھے۔ کہیں ایک کار بھی نہیں۔ اور لوگ۔۔؟ یہ تو خاصی بارونق جگہ تھی۔ دکانیں کیوں بند ہیں۔ شاید میرے حواس جواب دے گئے ہیں۔ میری آنکھیں مجھے دھوکا دے رہی ہیں۔ نہیں۔ یہ پورٹ لینڈ پلیس کا علاقہ ہے اس سے ذرا آگے بی بی سی کی عمارت ہے۔ مکانوں میں رہنے والے کدھر گئے۔ کہیں سے روشنی کی ایک کرن نظر نہیں آتی۔ وہ چلتا گیا۔ آسیب زدہ شہر میں جسے اس نے کبھی اس طرح نہیں دیکھا تھا۔ ویران اور سنسان ــــ قبرستان کی طرح خاموش۔ اس کی زندگی یہاں نہیں گزری تھی مگر وہ سیلانی طبیعت کا آدمی تھا۔ شہر کے چپے چپے سے واقف۔ یہ سڑکیں اس نے ہمیشہ آباد دیکھی تھیں۔ پر ہجوم۔ آوازوں سے پر۔ اب سوائے اس کے اپنے قدموں کی چاپ کے کوئی صدا نہ تھی۔ "ہلو"! وہ پاگلوں کی طرح چلایا "کوئی ہے؟" آکسفورڈ سرکس سے گزرتا وہ ریجنٹ اسٹریٹ میں آگیا۔ ہر جگہ وہی سناٹا محیط تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ وہ کس سے پوچھے اس شہر کے کوچہ و بازار میں سناٹا کیوں ہے۔ کیا حادثہ گزرا ہے آج۔ "میں پاگل ہو گیا ہوں"۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔ بائیں جانب گرانڈ جیولرز کی عمارت منہدم پڑی تھی۔ پھر اس کی نگاہ دائیں جانب گئی۔ تاریک زینے میں ایک شخص سٹین گن لئے کھڑا تھا۔ پہلا آدمی اور سٹین گن۔ "ہلو"۔ وہ بے تحاشا دوڑا۔ "میں ڈاکٹر گیرارڈ ہوں"۔ مگر وہ شخص بت کی طرح کھڑا رہا۔ گیرارڈ اس کے قریب پہنچ کر گر پڑا۔ وہ اب ایک قدم نہیں چل سکتا تھا۔

اس کی آنکھ ہیری کے فلیٹ میں کھلی۔ وہ کمبل اوڑھے بستر پر لیٹا تھا۔ اس نے ایک لمحے میں اس اجنبی جگہ پر اپنی موجودگی کو محسوس کیا اور اٹھ بیٹھا۔ وہی آدمی اسٹین گن کی بجائے شراب کا جام لئے کھڑا تھا۔ "تمہیں برانڈی کی ضرورت ہے"۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ گیرارڈ نے ایک گھونٹ میں جام خالی کر دیا۔

"میں کتنی دیر سوتا رہا۔۔؟" اس نے اجنبی سے پوچھا۔ "آدھے گھنٹے"۔ اس نے گیرارڈ کے جام کو پھر بھر دیا۔ "میں تمہیں اٹھا کر یہاں تک
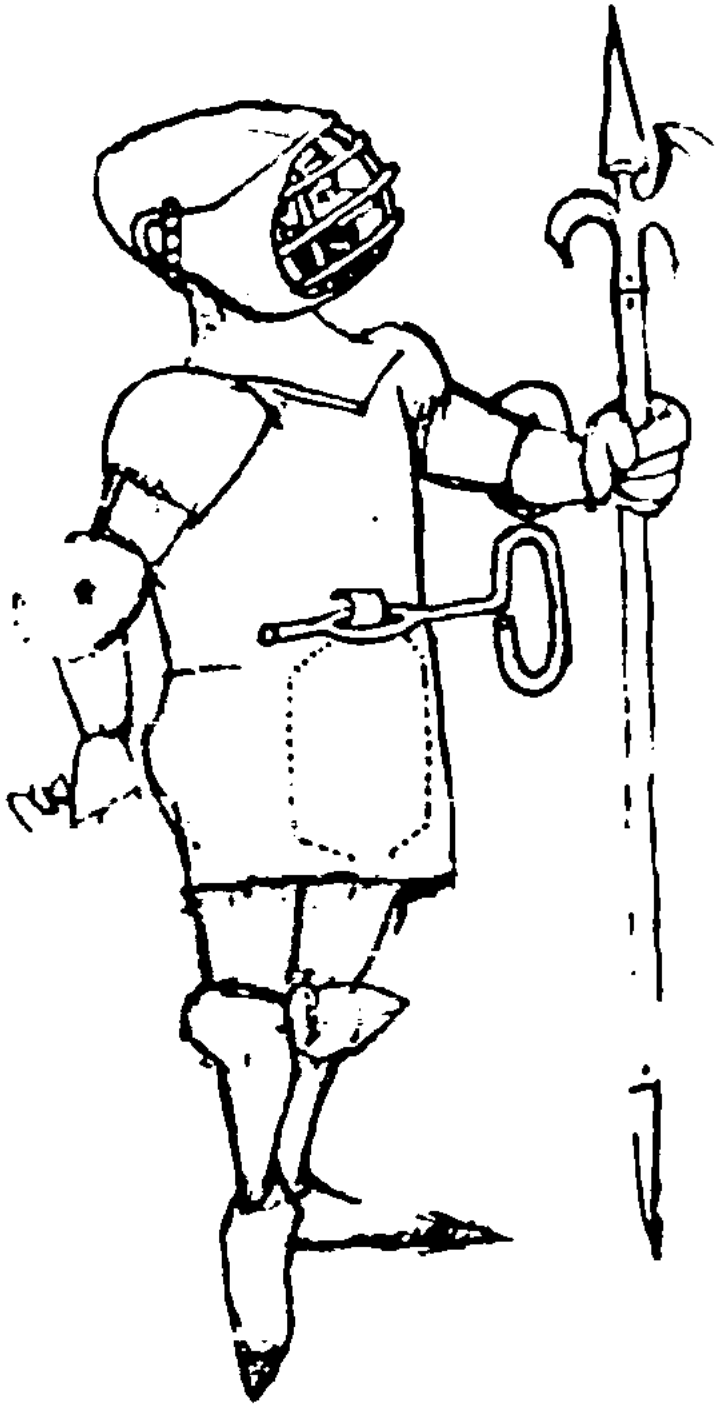
لایا ہوں۔ میرا نام ہیری ہے"۔

"میں ڈاکٹر لیوک گیرارڈ ہوں"۔ اس دوسرا جام خالی کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔ میں نے تمہاری جیبوں کی تلاشی لی تھی"۔ ہیری نے کہا۔

"مسٹر ہیری۔ میں آپکی مدد کا بے حد شکر گزار ہوں۔ مجھے اب جانا ہے میرے ساتھی ابھی تک زیر زمین قید ہیں"۔ اس نے دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ہیری اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ دروازہ مقفل تھا۔ "اس کا کیا مطلب ہے"؟ گیرارڈ نے ہیری کی آنکھوں میں ایک سفاک چمک دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر گیرارڈ۔ محض شکر گزاری سے کام نہیں چلے گا۔ آپ کو احسان کا بدلہ احسان سے چکانا چاہیئے"۔ ہیری نے اطمینان سے کہا۔

"کس قسم کا احسان۔۔"

"ڈاکٹر گیرارڈ۔ آپ اپنے دوستوں کو باہر نکالنا چاہتے ہیں اور۔۔" اس نے جیب سے چند شیشیاں نکالیں۔ "غالباً آپ ان کو کیمیائی تجزیے کے لئے کریم لیبارٹری بھی لے جانا چاہتے ہیں۔"

گیرارڈ کا ہاتھ بے ساختہ اپنی جیب پر گیا۔ "یہ تم نے کیوں نکالیں

جنوبی افریقہ کی پولیس نے ساؤتھ افریکن ایر ویز میں ایسا عملہ بھرتی کرا دیا ہے جو ادارے کی ملازمت کے ساتھ ساتھ مخبری کے فرائض بھی انجام دے گا۔ عملے کے اراکین کو ہر ہوائی اڈے پر مختلف مسافروں کی گفتگو تحریری شکل میں دینی پڑتی ہے۔ اس طرح جو مسافر جمہوریہ جنوبی افریقہ کے مفادات کے منافی گفتگو کرتے پائے جاتے ہیں، انہیں فی الفور دھر لیا جاتا ہے۔

——— نیویارک ٹائمز (امریکہ)

تمہیں معلوم نہیں ان میں کیا ہے۔!"

ہیری ہنسا۔ "مجھے خوب معلوم ہے ڈاکٹر۔ کیا تمہیں یہ شہر خالی نظر نہیں آتا۔"

یہ خوفناک حقیقت اچانک گیرارڈ پر واضح ہوئی کہ جتنی دیر وہ زمین کے نیچے رہے زمین کے اوپر اتنی دیر میں کیا قیامت گزر گئی۔ وہ دروازے کا ہینڈل تھامے کھڑا رہا۔ "کیا سارا لندن اس کی لپیٹ میں ہے۔؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ مگر۔ علاقہ خطرناک ہے۔ فوج نے ارد گرد کی ناکہ بندی کر دی ہے اور مکان خالی کرا دیئے ہیں۔" ہیری نے کہا۔ "اب ہم دونوں کو اس علاقے سے نکلنا ہے۔ تمہیں اپنی ضرورت کے تحت اور مجھے اپنی ضرورت کے تحت۔"

"صاف بات کرو۔ میرے پاس بہت کم وقت ہے۔" گیرارڈ نے کہا۔

"اچھا۔ تو سنو۔ ہمیں اس علاقے سے ایک چیز باہر لے جانی ہے مگر یہاں سے اس متاثرہ علاقے کی ناکہ بندی کی گئی ہے وہاں ملٹری ہر شخص کے کپڑے اتروا لیتی ہے اور نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہنا کر رخصت کرتی ہے نہانے دھونے میں تو کوئی حرج نہیں۔ مگر وہ لوگ کوئی چیز باہر نہیں لے جانے دیتے۔ ایک تنکا بھی نہیں۔ سمجھ رہے ہو نا۔ چنانچہ ہم تمہارے ان کیمیائی مادوں کی شیشیوں کے نیچے ایک چیز چھپائیں گے۔ وہ تمہاری بات سن کر تمہیں ان چیزوں کو لے جانے دیں گے۔"

"یہ کیا چیز ہے۔ ہیروئن وغیرہ۔" گیرارڈ نے بات سمجھتے ہوئے کہا۔

"یہی سمجھ لو۔ عام شہریوں پر جو خالی ہاتھ جائیں ملٹری معترض نہیں ہوتی چنانچہ ہم نہا دھو کر بس باہر ملیں گے اور دوستوں کی طرح اپنے اپنے راستوں پر چل پڑیں گے۔"

"دوستوں کی طرح۔! اور میں اُدھر جا کر تمہاری چیز دینے سے انکار کر دوں تو۔" گیرارڈ نے کہا۔ "کیا ہماری دوستی برقرار رہے گی۔؟"

"ابھی تو تم بچ جاؤ گے۔ مگر تم ایک مشہور آدمی ہو۔ تمہیں قتل کرنے کے لئے کسی پولیس مین سے پتا پوچھ لینا کافی ہوگا۔ لیکن تم نہیں جانتے میں کون ہوں پولیس کے پاس میرا کوئی ریکارڈ نہیں اور میں نے تمہیں اپنا نام بھی درست نہیں بتایا۔" ہیری نے کہا۔

"اگر میں نہانے دھونے کے دوران پولیس کو بتا دوں پھر۔؟"

"میں تمہیں پہچاننے سے بھی انکار کر دوں گا۔ تمہیں ان کیمیائی مادوں کے بہانے ہیروئن اور ایل ایس ڈی نکالنے کی کوشش میں دھر لیا جائے گا اور ان کی موجودگی کا جواز پیش کرنا پڑے گا جو تمہارے لئے خاصی ذلت اور رسوائی کا باعث ہوگا۔ اور مانے تو تم پھر بھی جاؤ گے۔" وہ ہنسا۔ ایک لمحے کے لئے بھی گیرارڈ نے یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ بری طرح پھنس چکا ہے اور ہیری کی بات مانے بغیر چارہ نہیں۔ اسے کسی کا ڈر نہیں تھا جو اسے چپ کرے۔ مگر انکار کی صورت میں رسوائی لازمی تھی۔

"تم نے میری تھوڑی سی مدد کی ہے۔" گیرارڈ نے کہا۔ "چنانچہ میں احسان کا بدلہ اتارنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے دو ساتھیوں کی زندگی بھی بچانی ہے اس لئے میں پولیس کی پوچھ گچھ میں مزید وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے منظور ہے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"میں سمجھتا ہوں ڈاکٹر۔ تم خاصے سمجھدار ہو۔" ہیری نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا مطلب یہ تو نہیں کہ میں خاصا بزدل ہوں۔ مسٹر ٹام ڈک یا ہیری۔ میں ابھی آدھے گھنٹے پہلے موت کے منہ سے نکل کر آیا ہوں۔ محض دھمکی میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ چلو۔"

وہ دونوں بالکل خاموشی سے ویران فٹ پاتھوں پر چلتے رہے ڈاکٹر کے ہاتھ میں ایک ٹین کا ڈبہ تھا۔ اس میں اوپر نیچے چھوٹی بڑی شیشیاں تھیں۔ ان کے ارد گرد اور نیچے روئی کی تہہ تھی۔ شیشیوں کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے بالآخر وہ ایک چیک پوسٹ پر پہنچے جہاں سڑک لوہے کے کھمبوں سے بند کر دی گئی تھی اور دو مسلح فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ اسی سڑک پر ایک فرلانگ آگے پھر اسی قسم کے کھمبے تھے جن کے پار لندن کا شہر اپنی ساری رونق کے ساتھ آباد نظر آ رہا تھا۔ کھمبوں کے درمیان سڑک کے ٹکڑے پر بھی مسلح فوجی پہرہ دے رہے تھے اور باہر جانے والے لوگوں کی قطار آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ دونوں قطار میں شامل ہوگئے۔ ہیری اس سے پہلے ایک کمرے میں بھیج دیا گیا۔ پھر گیرارڈ کی باری آئی۔ "مجھے یہ ڈبہ ساتھ لے جانا ہے۔" اس نے ڈیوٹی آفیسر سے کہا۔ "میں ڈاکٹر گیرارڈ ہوں۔"

"سوری ڈاک۔ اس کی اجازت نہیں ہے۔" نوجوان میجر نے بے نیازی سے کہا۔

"اجازت کون دے گا۔" اس نے میز پر جھک کر ہاتھ مارا۔
"جنرل فین وک یا ہالینڈ۔" میجر نے تعجب سے کہا۔ "چلانے کی ضرورت نہیں۔"

"میں ان سے بات کروں گا۔ ابھی۔ اسی وقت۔"
"ہمارے پاس فون نہیں ہے۔ لائن ڈیڈ ہے۔ سارجنٹ۔ انہیں لے جاؤ۔" میجر نے حکم جاری کرتے ہوئے کہا۔

"میجر۔ تمہارے پاس وائرلیس ہے۔ جیپ ہے۔ اگر تم نے فوراً ایک منٹ کی تاخیر کے بغیر ایڈمرل وائٹنگ، جنرل فین وک یا ہالینڈ سے رابطہ قائم نہ کیا اور اس ڈبے کو ہاتھ بھی لگایا تو میں اسے چھوڑ جاؤں گا لیکن میں سیدھا ہوم سیکرٹری یا وزیر اعظم کے پاس جاؤں گا اور صرف آدھے گھنٹے بعد تم میجر کی حیثیت سے نہیں مجرم کی طرح کورٹ مارشل کے سامنے کھڑے ہوگے۔ میں ڈاکٹر گیرارڈ ہوں۔ کریمر گروپ کا۔ یو فول۔" اسکی آواز بلند ہوتی گئی اور چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس نے اپنے کاغذات اس کے سامنے پھینک دیئے۔ "دیکھو۔ میرا اسپیشل شناختی کارڈ۔ تمہارے پاس ہے یہ۔ ؟" میجر کا رنگ اڑ گیا۔ نیلے رنگ کا پلاسٹک کارڈ۔ مائی گاڈ۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے سارے کاغذات سمیٹے۔ "آئی ایم ویری سوری ڈاکٹر گیرارڈ۔ ویری سوری۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ آپ باکس میرے سارجنٹ کو دے دیں۔ نہلانے دھونے کے بعد آپ کو مل جائے گا۔"

"نو۔ باکس میرے ساتھ رہے گا۔ اس میں جو بکٹیریا ہیں انہیں مارنا نہیں ہے۔" اس نے کاغذات سمیٹ کر جیب میں رکھتے ہوئے سرد مہری سے کہا۔

"آل رائٹ۔ آل رائٹ۔ جیسی آپ کی مرضی۔" اس نے ماتھے سے پسینہ صاف کیا۔ "ڈونٹ مائنڈ۔ غلطی میری تھی۔" اس نے کھڑے ہوکر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو جانتا نہیں تھا۔"

نہلانے دھونے کے بعد جو کپڑے اسے پہننے کے لئے دیئے گئے وہ نہ صرف یہ کہ بالکل فٹ تھے بلکہ کسی حد تک قیمتی بھی۔ جوتے سے لے کر سوٹ اور ٹائی تک۔ اس نے کوئی سوال کئے بغیر پہن لئے۔ آخری حد کے باہر ہیری بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ "تھینک یو ڈاکٹر۔" ہیری نے کہا۔

"ہیری۔ مجھے نہیں معلوم تم نے یہ ہیرے کہاں سے حاصل کئے۔" گیرارڈ نے کہا۔ "لیکن تم نے ایک چھوٹے سے احسان کے بدلے مجھے اسمگلر بنا دیا۔ اپنے ہیرے گن لو۔ اور یہ سمجھ لو کہ میں تمہیں اسی وقت گرفتار کرا سکتا تھا۔" ہیری اسے تیز تیز قدموں سے جاتے اور ٹیکسی روک کر بیٹھتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کیسے عجیب لوگ ہوتے ہیں جو بکٹیریا کو ہیروں سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں۔ کیا انہیں پیسے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ؟

اور یہ تو اس نے ٹھیک کہا۔ اسکی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ اسٹین گن کے پورے راؤنڈ سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اس نے دوسری ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے سوچا۔

اگلے بہتر گھنٹے گیرارڈ کے لئے ایک بھیانک خواب کی مانند تھے۔ وقفے وقفے سے اسے بہت سی باتیں یاد آتی رہیں۔ کریمر اور ہالینڈ کے علاوہ جیب شاید پولیس کے لوگ تھے جن سے ہالینڈ نے کچھ کہا تھا۔ ایک بار اس نے دائیں اور بائیں بستر پر رائٹ اور بیوشان کو بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ خود بار بار بے ہوش ہو جاتا تھا۔ شاید ڈاکٹروں کی کوشش سے خواب میں اسے یوں لگتا جیسے پالس ننگا اس کے سامنے کھڑا ہے اور اس پر وار کر رہا ہے۔ وہ چیخ مار کر بھاگنے کی کوشش کرتا مگر ہسپتال کا عملہ اسے پکڑ کر لٹا دیتا۔ اسے ہارڈی کی دانتوں میں دبی ہوئی زبان اور اکڑے ہوئے ہاتھ پیر نظر آتے۔ آسیب زدہ اسٹیشن اور دھڑ دھڑ جلتا ہوا کیبن۔ اسے یوں لگتا جیسے وہ بلندی سے نیچے گر رہا ہے۔ جلتی ہوئی مشعلوں کے الاؤ میں۔

oooooooo

"سینٹ تھامس کی تجربہ گاہ نے بھی میرے نظریہ کی توثیق کر دی ہے۔" بیوشان نے فون رکھتے ہوئے کہا۔

"مسٹر کریمر۔" مس ڈیوس نے دروازے سے سر نکال کر کہا۔ "ان کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ میں نے پولیس اور ملٹری کو بھی مطلع کر دیا ہے۔ سارے ہسپتالوں میں کسی کے ریکارڈ میں ان کا نام تک نہیں۔ میری سمجھ میں۔۔۔"

"میں نے سن لیا ہے۔ گٹ آؤٹ۔" کریمر نے دھاڑ کر کہا۔ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ "مسٹر کریمر۔ نیویارک سے مسٹر مارکر۔" انٹرکام پر مس ڈیوس کی سہمی ہوئی آواز سنائی دی۔ کریمر نے فون اٹھالیا۔ "ہلو مارکر۔ ہاں ایمینو اسٹرین کا کوئی قصور نہیں۔ بالکل۔ ہم نے تصدیق کرلی ہے۔ یہ ایک بکٹیریا ہے۔ میں تمہاری رائے نہیں سننا چاہتا اس لئے کہ میرے پاس شہادت ہے۔ سینٹ تھامس لیبارٹری والوں کی بھی۔ کل میٹنگ ہے۔ ٹھیک ہے یونہی صبح۔ میں پہنچ جاؤں گا۔" اس نے فون رکھ دیا۔

"مس ڈیوس۔ کل صبح ساڑھے دس بجے نیویارک پہنچنے والی پرواز سے میرے لئے کسی بھی جہاز کی سیٹ بک کرا دو۔ جہنم میں گئے وہ دونوں۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔" ایڈی۔ ایڈی۔ (اس کے ذہن میں کسی نے آہستہ سے کہا) "بین الاقوامی ادارۂ صحت کے سائنسدان اور ماہرین ایمینو اسٹرین کے بارے میں یہ فیصلہ کرنے جمع ہو رہے ہیں کہ اس کے استعمال پر پابندی لگائی جائے یا نہیں۔ کل ساڑھے گیارہ بجے تک مجھے ایڈی اور سینٹ تھامس والوں کی رپورٹ اور بکٹیریا کے نمونے سیل کر کے دے دو۔" اس نے بیوشان سے کہا۔ "یہ ہمارے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

لندن کا ہوائی اڈہ بین الاقوامی آمد و رفت کے لئے بند کر دیا گیا تھا جہاز قطار اندر قطار ہینگرز میں کھڑے تھے۔ نیویارک جانے والی خصوصی سفارتی پرواز کے لئے صرف ایک بوئنگ ۷۴۷ رن وے پر موجود تھا۔ پر کا لباس پہنے کمر پر سلنڈر اٹھائے خلا نورد نظر آنے والے انسان جہاز کے اندر اور باہر خصوصی حفاظتی انتظامات کے تحت دوائیں چھڑک رہے تھے کسی مسافر کو اپنے ہمراہ پلاسٹک کی کوئی چیز ان ادویات میں دھوئے

بڑھ سے جانے کی اجازت نہیں تھی. چشمے، سوٹ کیس کھول کر لائن میں رکھ دیئے گئے تھے اور باری باری ان میں دھوئیں کی طرح ادویات کی پھوار پڑ رہی تھی. کریمر نے بھی دوسرے مسافروں کی طرح تعمیل کی. فلائٹ نمبر ۴۴ ۲۱ روانہ ہوئی تو کریمر نے جیب سے قلم نکالا اور لکھنا شروع کر دیا. صفحے پر صفحے بھرتے گئے. اس کے ہاتھوں میں پسینے کی نمی تھی. ایئر ہوسٹس نے پلاسٹک کی ٹرے اسکے سامنے کی اور اس نے دیکھے بغیر پلاسٹک کا کپ اٹھا لیا. اس نے یہیں دیکھا کہ اس کا پین کوٹ کی جیب میں تھا اور ادویات کی پھوار صرف اس کے کلپ پر پڑی تھی. نچلے حصے میں پلاسٹک کھانے والے بیکٹیریا اس کے ساتھ نیویارک جا رہے تھے. پسینے سے تر ہاتھ سے کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے تھوڑی سی نمی ٹرے میں لگ گئی. بیکٹیریا ٹرے میں منتقل ہو گئی. وہ لکھنے میں مصروف تھا کہ ایک خاتون کا اسکرٹ چھو جانے سے کافی کا وہ کپ گر گیا جس پر خاصی مقدار میں بیکٹیریا پہنچ چکے تھے "سوری۔" خاتون نے کہا. خاصی حسین خاتون ہیں. کریمر نے سوچا اور مسکرا کر سر ہلایا۔ وہ لکھنے میں مصروف تھا جب ایئر ہوسٹس نے نیچے گرا ہوا کپ اٹھایا اور کافی کا دوسرا کپ رکھ گئی۔ پہلے کپ سے کریمر نے کافی نہیں پی تھی. ایئر ہوسٹس نے ذرا سی بے پروائی کرتے ہوئے اسی کپ میں مزید کافی بھری. کرلو کیبن کا دروازہ کھولا اور پائلٹ کیپٹن ہارورڈ کو دے دی۔ "تھینکس جولی! اس میں تم نے اپنی مسکراہٹ ملائی ہے۔؟" وہ ہنسی۔ "میں حسد سے مرا جا رہا ہوں۔" کو پائلٹ نے کہا: "ایک کپ میرے لئے بھی ورنہ...."

"اوکے اوکے۔" وہ ہنسی۔

ڈبل مسکراہٹ کے ساتھ۔" اس نے دروازہ بند کرنے سے پہلے سنا۔ اگلے ہفتے جنیں سے اس کی شادی ہونے والی تھی۔

جولی نے دیکھا کریمر کا کپ خالی ہو چکا تھا۔ اس نے کپ اٹھایا، بھرا اور کافی سے بھر کر ٹرے میں رکھ لیا۔ مگر جب اس نے کو پائلٹ کو دینے کے لئے اٹھانا چاہا تو اس نے محسوس کیا کپ ٹرے سے چپک گیا ہے۔ اس نے احتیاط سے اسے الگ کیا مگر ٹرے سے مکڑی کے جالے کی طرح لیس بھی ساتھ ہی آ گئی۔ "کتنا ناقص پلاسٹک سپلائی ہوا ہے۔ ذرا سی حرارت سے پگھل گیا۔" اس نے کہا۔

"ڈبل مسکراہٹ میں خاصی حرارت ہوتی ہے۔" کیپٹن ہارورڈ نے کہا۔ "پلاسٹک کیا کرے۔"

کو پائلٹ نے کنٹرول کو آٹو پائلٹ پر سیٹ کر کے کپ لینا چاہا تو اسکا ہاتھ پلاسٹک کے بٹن پر یوں چپک گیا جیسے اس پر گوند لگا ہوا ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ کو سونگھا۔ "کنجوسی تو میں کرتا ہوں مگر اتنی بھی نہیں کہ گندے انڈے کھاؤں۔ پھر یہ بو کہاں سے آ گئی میرے ہاتھوں میں۔"

جس وقت ایئر ہوسٹس کرلو کیبن سے دونوں کپ لے کر آئی تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ایک کپ پگھل رہا تھا۔ اس کے ایک کنارے سے پلاسٹک کا قطرہ فرش پر ٹپکا۔ دوسرا ربر کی طرح نرم ہو گیا تھا. چیف اسٹیوارڈ کو یہ بات سمجھانا اس کے لئے خاصا مشکل ثابت ہوا. آدھے گھنٹے بعد جس خاتون نے کریمر کا کپ گرایا تھا، پائلٹ روم سے دس قطار پیچھے سیٹ کے نیچے سے جہاز کے فرش پر رکھا ہوا بیگ اٹھانے کی کوشش کی. پلاسٹک کا ہینڈل کھنچ کر یوں ہاتھ میں آ گیا جیسے وہ کپڑے کا بنا ہوا ہے۔ "یہ کیا بکواس ہے۔" اس نے چلاتے ہوئے کہا۔ "ہیرٹکس نے اون کیا ہے!"

"ہیرٹ تو کوئی نہیں خاتون۔" ایئر ہوسٹس نے شائستگی سے کہا۔ "غالباً بیگ پرانا ہے۔"

"اوہ۔" خاتون نے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔ "کس نے تمہیں ایئر ہوسٹس بنا دیا۔ یہ پرانا بیگ ہے؟ ابھی میں نے ایئر پورٹ سے خریدا ہے اور جہاز میں آ بیٹھی ہوں۔ عقل نہیں آنکھیں تو ہیں۔"

کریمر اپنے کام میں مصروف تھا۔ اچانک جہاز آگے کی طرف جھکا. دوسرے مسافروں کی طرح وہ بھی آگے جھک گیا. کیپٹن ہارورڈ نے نگاہیں ڈائل پر رکھتے ہوئے اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔

"کیا گڑبڑ ہے۔؟" اس نے انجن کو گالی دیتے ہوئے کہا. ایک چھوٹا سا دھماکہ ہوا اور کیبن میں دھواں بھر گیا. کو پائلٹ نے ہاتھوں سے دھواں پھیلاتے ہوئے مائکروفون اٹھا لیا۔

"حضرات۔ اور خواتین۔ معاف کیجئے گا۔ خواتین و حضرات! زحمت نہ ہو تو سیفٹی بیلٹ باندھ لیجئے۔ جہاز تھوڑا سا نشے میں ہے شکریہ۔" مسافر مسکرائے اور بیلٹ باندھ لی۔ کریمر نے اپنے سامنے پھیلی ہوئی میز پر قلم رکھا تو اس کے دونوں حصے الگ ہو گئے۔ پینسل کی کیپ سے ڈھکا ہوا حصہ اور اس سے اوپر نب تک کا حصہ۔ اس نے کیپ کو اٹھا کر دیکھا۔ اس میں سے پگھلے ہوئے پلاسٹک کا قطرہ باہر گرا۔ دوسرا حصہ ربر کی ٹیوب اور آدھی باڈی کے ساتھ مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ پھر اسکی نگاہ میز کے کونے پر گئی۔ پلاسٹک کے کنارے پر بلبلے بن رہے تھے۔ اس کا رنگ اڑ گیا. کیپ کو اس نے فوراً جیب میں ڈال لیا اور بٹن دبایا. کسی نے نہیں دیکھا۔

"میں کیپٹن سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اسی وقت۔" اس نے ایئر ہوسٹس کے کانوں میں آہستہ سے کہا۔ "مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔ ذرا دور سے بات کرو۔"

"آپ مجھے نہیں بتا سکتے سر۔" وہ خوش اخلاقی سے مسکرائی۔

"نو۔ پلیز۔ جہاز خطرے میں ہے. تم نہیں سمجھو گی. مگر میں یہاں سے اٹھ کر نہیں جاؤں گا۔"

کیپٹن ہارورڈ نے یہ درخواست حیرت سے سنی۔ "پاگل تو نہیں ہے؟"

"پاگل نہیں۔ مگر خبطی ضرور ہے۔ ایسے بیٹھا ہے جیسے کسی متعدی مرض میں مبتلا ہے۔ مجھ سے کہہ رہا تھا مجھے ہاتھ مت لگانا۔"

"گڈ مارننگ سر۔" کیپٹن ہارورڈ نے اس کے پاس آ کر کہا۔

"کیپٹن دیکھو۔ میں پاگل ہوں نہ جہاز کو اغوا کرنے والا۔ میں ڈاکٹر

ہوں۔" اس نے اپنے کاغذات سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "میری بات غور سے سنو۔ ہم سب کی جان خطرے میں ہے۔"

کیپٹن ہارورڈ مسکرایا۔ "آپ گھبرائیں نہیں۔ جہاز تین انجنوں سے سارا دنیا کا چکر لگا سکتا ہے۔"

"انجن کی بات نہیں۔ مجھے معلوم ہے جہاز ایک انجن سے بھی اتر سکتا ہے۔ میں سائنسداں ہوں اسکول کا بچہ نہیں۔"

کے ایل ایم کی یہ سفارتی پرواز مغربی جرمنی سے آئی تھی۔ کیپٹن ہارورڈ پلاسٹک کھانے والے بیکٹیریا کے نظریہ سے قطعی ناواقف تھا۔ کریمر نے مختصر الفاظ میں اسے ساری بات سمجھانے کی کوشش کی لیکن ایئر ہوسٹس نے اسی وقت۔ جبکہ وہ اس نظریہ پر مزید سر کھپانے کو تضیع اوقات سمجھ کر جانے والا تھا۔ اس کے کان میں ایک بات کہی۔ وہ رک گیا۔ "پہلے کپ اور پھر بیگ کا ہینڈل۔" اس نے حیرت سے کہا۔ پھر اسے وہ کپ یاد آیا جو ڈبل مسکراہٹ کی حرارت سے پگھل کر ٹرے سے چپک گیا تھا۔ پھر کاک پٹ کی خرابیاں۔ اس نے کچن میں جا کر کپ کو دیکھا جو اب جھاگ بن چکا تھا بظاہر سکون کے ساتھ وہ مسافروں کے درمیان سے گزر کر کاک پٹ میں پہنچا۔ دروازہ بند کرتے ہی اس نے پائلٹ سے پوچھا۔ "بنی۔ وہ سوئچ کی خرابی ٹھیک ہوئی۔؟" وہ خاصا پریشان نظر آتا تھا۔

"نہیں۔ نیویارک میں اسے بدلنا پڑے گا۔"

"نہیں۔ انجینئر کو بلاؤ۔ اس سے کہو کہ ریگولیٹر کو ابھی نکال کر دیکھے اسی وقت۔"

آدھے گھنٹے بعد انجینئر نے ریگولیٹر پینل کھولا اور اندر سے رنگین تاروں کی بجائے رنگین بلبلوں کا ایک ڈھیر باہر نکالا۔ سڑے ہوئے گوشت جیسی بدبو کیبن میں پھیل گئی۔ ہارورڈ نے مائکروفون پر آواز میں انتہائی ملائمت پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "ہم ڈاکٹر کریمر کے ممنون ہوں گے اگر وہ چند منٹ کے لئے زحمت فرما کر آگے آجائیں۔" لیکن اتنی دیر میں ریگولیٹر سے ٹپکا ہوا قطرہ فرش کے دینائل کو گلانے لگا تھا۔ سمندر کی لہروں کی طرح جھاگ آگے پھیلتی جا رہی تھی اور کریو کیبن کے دروازے سے گزر کر اب مسافروں والے حصے میں داخل ہونے والی تھی۔ غسلخانے میں باتھ۔ کچن میں برتن۔ مسافروں کے سروں کے اوپر لائٹس کے شیڈ۔ پلاسٹک کے "سگریٹ پینا منع ہے" اور "سیٹ بیلٹ باندھ لیجئے" کے نوٹس سب نرم پڑتے جا رہے تھے اور سوئے ہوئے مسافر ان سب سے بے خبر تھے۔

"ڈاکٹر کریمر۔ میرا خیال ہے تمام خرابیوں کے باوجود ہم کینیڈی ایئر پورٹ پر حفاظت سے اتر جائیں گے۔" ہارورڈ نے کہا۔

"نہیں۔ ہم نیویارک نہیں جا سکتے۔ یہ وبا ہے کسی الگ تھلگ مقام پر کسی ویران ہوائی اڈے کی طرف چلو۔ ورنہ سارا امریکہ اس کی لپیٹ میں آجائے گا۔"

"میں آپکی بات ماننے پر مجبور ہوں۔ حالانکہ مجھے یقین نہیں آتا۔" ہارورڈ نے کہا۔ مسافروں کے حصے میں ایک عورت نے چیخ ماری۔ اس کا پلاسٹک فوم کا کوٹ گھلتا جا رہا تھا۔ "خواتین و حضرات۔ کیپٹن ہارورڈ آپ سے مخاطب ہے۔ ناگزیر وجوہ کی بنا پر ہم نیویارک کینیڈی ایئرپورٹ کی بجائے عارضی طور پر راستے میں قیام کرینگے۔ آپ لوگ بیلٹ باندھے رہئے۔ شکریہ۔"

فرسٹ کلاس سے ایک بوڑھا مسافر تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ "میں تم سب کو تباہ کر دوں گا۔ ایک منٹ کی تاخیر سے مجھے ایک ملین ڈالر کا نقصان ہوگا۔ یو باسٹرڈز۔"

"پاگل کے بچے۔" کریمر نے اسے اندر کھینچ کر دیوار پر دے مارا۔ "اگر تمہارے حلق سے ایک لفظ اور نکلا تو میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔ جہاز خطرے میں ہے۔ خاموشی سے جا کر سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔" وہ سہم گیا۔ کریمر کے درشت رویے کے بعد بڈھا پرسکون ہوگیا اور چپ چاپ اپنی سیٹ پر جا بیٹھا۔ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا دوسرا بوڑھا اپنی عینک کے اچانک پگھل جانے کا شکوہ کر رہا تھا۔ ان دونوں کا بلڈ پریشر ہائی تھا۔

"اگر ہم جہاز کو بوسٹن سے چالیس میل دور جنوب میں ہاورک اڈے

براتا رلیں تو کیا حرج ہے۔ ایک ہی رن دے بے رہاں۔ جنگ عظیم دوم کے زمانے کا۔ بادرڈ نے کہا۔ بنی نے سر ہلایا اور بٹن دبا کر جہاز کا رخ موڑا۔ اس وقت تک بکتر یا جہاز کے اندر خاص گیس خارج کر چکے تھے۔ بٹن دبانے سے آگ کا ننھا سا شعلہ پیدا ہوا کیونکہ اندر دو تار آپس میں مل گئے تھے۔

نینی کٹ کے ساحل پر ایک راہ گیر نے زبردست دھماکہ سنا۔ مگر اس نے اوپر دیکھا تو سینکڑوں شعلے الگ الگ نظر آئے۔ پل بھر میں وہ سمندر کی سطح پر پھیل کر غائب ہو گئے۔

○○○○○○○○

ابی کو جب کریگ کی آنکھ ہسپتال میں کھلی تو ہیوشان اس کے پاس تھا۔ اسے یاد آیا کہ گیرارڈ کے جانے کے بعد وہ دو گھنٹے تک اس کا انتظار کرتے رہے تھے اور پھر وہیں بیٹھ کر سو گئے تھے۔ انہیں آرمی کے دو نوجوانوں نے جگایا تھا اور ہیلی کاپٹر کے ایک کیبن میں بٹھا دیا تھا۔ اوپر سے نیچے تک ایک موٹا رسا لٹکا ہوا تھا جس نے آہستہ آہستہ انہیں اوپر کھینچ لیا تھا۔ انہیں الگ الگ ایمبولینس میں روانہ کر دیا گیا تھا۔ اسٹیشن ماسٹر کو بھی ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا اور پراٹس کی لاش بعد میں ملی تھی۔ یہ اطلاع ہیوشان نے دی تھی۔ ہیوشان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کریگ کی موت کی اطلاع ابی کو دے یا نہ دے۔ اور اگر دے تو کس طرح۔ خود ابی کی زبان پر یہ سوال کئی بار آ کے رک گیا کہ کریگ اسے دیکھنے اب تک کیوں نہیں آیا۔ کیا وہ ابھی تک کیمبرج میں ہے؟۔ اگر کریگ نے وہ خط پڑھ لیا ہے تو اس کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور جو کچھ اس نے لکھا تھا اس کے بعد یہ توقع رکھنا بھی حماقت تھا۔ بالآخر اس نے اس سوال کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ خواہ جواب کچھ بھی ہو۔ "جیمس میں نے کریگ کو نہیں دیکھا۔ وہ کہاں ہے؟"

ہیوشان خاموش بیٹھا انگلیاں چٹخاتا رہا۔ ابی کا شبہ یقین میں بدل گیا۔ اس نے طلاق کی درخواست دے دی ہوگی اور سارے زمانے کو بتا دیا ہوگا کہ وہ گیرارڈ کے ساتھ بھاگ گئی۔

"جیمس۔ کوئی بات نہیں۔" اس نے سکون کے ساتھ کہا۔ "ہمارا نباہ مشکل تھا۔"

"کیا۔؟" ہیوشان نے تعجب سے کہا۔ "تمہیں افسوس نہیں ہے تمہیں معلوم ہے۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے اور مجھے قطعی افسوس نہیں ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس نے مجھ پر بے وفائی کا الزام لگانے کی کوشش کی ہوگی مگر میں نے نہیں بے وفائی اس نے کی۔ اس نے گیرارڈ کا گھر تباہ کیا۔ اس کی بیوی سے ناجائز تعلقات قائم کئے۔ گیرارڈ غریب کو معلوم بھی نہیں مگر مجھے سب معلوم ہے۔ تین سال سے وہ برابر مل رہے ہیں۔ ان کی خط و کتابت جاری ہے۔ گیرارڈ کو تم سے طلاق دے چکا ہے اور اب کریگ مجھ سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ میرے پاس ثبوت ہے۔" شدت جذبات سے اس کی آواز رک گئی۔
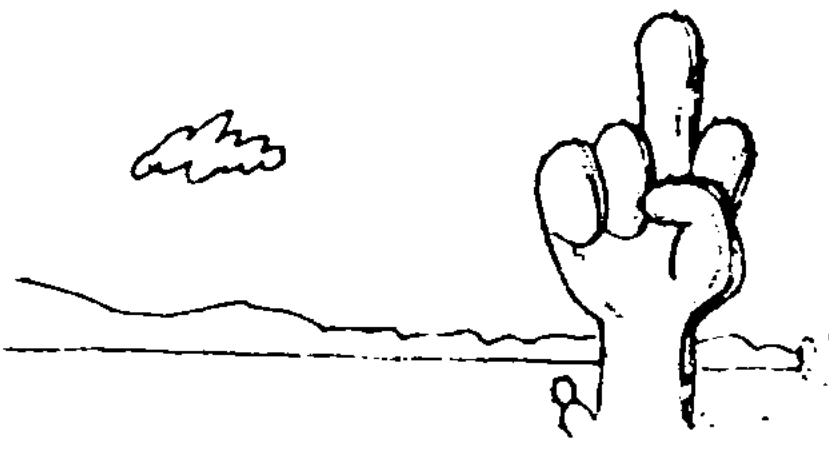
ہیوشان حیرت سے منہ کھولے سنتا گیا۔ وہ اس انکشاف کے لئے تیار نہ تھا۔ "ابی۔ وہ مر چکا ہے۔" اب جبکہ ابی نے خود ہی ہیوشان کی مشکل آسان کر دی تھی یہ کہنا مشکل نہ تھا مگر یہ الفاظ بم کی طرح ابی پر گرے۔ "کیا!" اس نے چیخ کر کہا۔ "کیسے۔؟ کیا اس نے خودکشی کی ہے۔ جیمس۔ کیا اس نے؟" اس نے ہیوشان کے کوٹ کا کالر تھام لیا۔

"وہ ہوائی حادثے میں مارا گیا ہے ابی۔ ہوش میں آؤ۔" ہیوشان نے اپنے کوٹ کا کالر چھڑاتے ہوئے کہا۔

"ہوائی حادثے میں۔؟" ابی نے بے جان ہو کر بستر پر گرتے ہوئے کہا۔ "کہاں۔ وہ کہاں جا رہا تھا؟"

"نیویارک۔ عالمی ادارۂ صحت کی کانفرنس میں جہاں اسے یہ ثابت کرنا تھا کہ ایمینو اسٹرین کا اس بحران سے کوئی تعلق نہیں اور اس کا استعمال بے ضرر ہے۔" ہیوشان نے کہا۔

"ایمینو اسٹرین۔!" وہ تلخی سے ہنسی۔ "اسے معلوم تھا کہ اس کی بیوی لاپتہ ہے۔ ایمینو اسٹرین سے محبت کرتا تھا۔ پیسے سے محبت کرتا تھا اور۔ اور شیرون گیرارڈ سے محبت کرتا تھا۔" وہ تکیے میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"مجھے افسوس ہے ابی۔ کاش یہ اطلاع دینے میں نہ آتا۔"

"جیمس۔ میں احمق ہوں نا۔ میں سمجھی تھی اس نے خودکشی کر لی ہے۔ کیا ضرورت تھی خودکشی کی۔ وہ کیمبرج میں شیرون کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا تھا اور مجھے فون پر بتا رہا تھا کہ وہ کانفرنس میں پھنسا ہوا ہے۔ تم نے دیکھ لیا نا۔ اسے بیوی کی کوئی فکر نہ تھی۔ اس نے مجھ سے کبھی محبت نہیں کی۔ کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔" وہ تکیے پر مکے مار کر بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ "میں سمجھی تھی اس نے خط دیکھ لیا ہے۔" پھر اچانک وہ اٹھ بیٹھی۔ "جیمس میں گھر

افزا زر

نے جاپانی ین کو سلابے وار بنا کر رکھ دیا ہے۔ جاپانی عوام سمجھتے ہیں کہ بینک قیمتوں میں اضافے کے رجحان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں، چنانچہ انتقاماً وہ ایک ین سے بینک اکاؤنٹ کھولتے ہیں اور ایک [illegible] دس ہزار ین کا نوٹ دیتے ہیں۔ نتیجتاً بینک کے کیشیئروں کو محض ایک ین کاٹنے کے لئے اتنے بڑے نوٹ کی ریزگاری دینی پڑتی ہے۔ اس طرح ایک ین کو ایک شاخ سے دوسری شاخ میں منتقل کرنے میں بھی ... کا خاصا وقت صرف ہوتا ہے۔ اس صورتحال سے تمام بینک عاجز آچکے ہیں، لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتے ہیں:

—— یوز ویک [illegible]

جاؤں گی۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ میرا خیال ہے ابھی تم ٹھیک نہیں ہو۔ تمہارا گھر جانا ٹھیک نہیں ہے۔" یوشان نے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ اگر تم نہیں لے جاؤ گے تو میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"اوکے۔ ڈاکٹر سے تو پوچھ لو۔" یوشان نے بے بسی سے کہا: "اگر یہ محسوس کرتی ہیں کہ ٹھیک ہیں تو کوئی حرج نہیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ گھر پہنچ گئی۔ اس کا خیال درست تھا۔ خط اسی طرح رکھا تھا۔ کریم نے اسے کھولا بھی نہیں تھا۔ اس نے خط کو پرزے پرزے کر دیا اور کریم کی تصویر کو اٹھا کر فرش پر دے مارا۔ "تم نے مجھے مرتے مرتے بھی دھوکا دیا۔"

00000000

نیویارک میں عالمی ادارۂ صحت کے ماہرین کی کانفرنس جو کریم کی موت کے بعد ملتوی کر دی گئی تھی۔ پلاسٹک کھانے والے بکٹیریا کو دنیا میں پھیلنے سے روکنے کے لئے لندن میں شروع ہوئی تو ڈاکٹر کینڈل اس کی صدارت کر رہے تھے۔ کریم گروپ کی نمائندگی اب گیرارڈ اور رائٹ کر رہے تھے۔ کانفرنس ہال کے اردگرد ایک میل کے علاقے میں کسی شخص کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اخباری نمائندے، پریس اور ٹی وی کے فوٹوگرافر فوجی پہرے سے گزر کر کسی مندوب سے کوئی بات معلوم کرنے یا کانفرنس کی کارروائی سے متعلق کوئی اطلاع حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے۔

"تجربات اور تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ڈیگرون کا اس تباہی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک بکٹیریا ہے جو ہر قسم کے پلاسٹک کو کھا رہا ہے۔" رائٹ نے جوشیلے انداز میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "ہم نے اپنے طور پر اور دوسری تجربہ گاہوں میں دوسرے سائنسدانوں نے اس بکٹیریا کے متعلق یکساں حقائق دریافت کئے ہیں۔ اس کے الیکٹرانک مائیکروسکوپ سے لئے ہوئے فوٹو۔ لائف سائیکل سے متعلق اعداد و شمار آپ لوگ دیکھ چکے ہیں۔"

"مسٹر رائٹ۔ پلاسٹک مختلف صورتوں میں بہت عرصے سے استعمال ہو رہا ہے لیکن اس بکٹیریا کی تباہ کاری ڈیگرون کی ایجاد کے فوراً بعد شروع ہوئی۔ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ڈیگرون نے اس بکٹیریا کو جنم دیا؟" ڈاکٹر کینڈل نے سوال کیا۔

"یہ ..... اسے آپ اتفاق کہہ سکتے ہیں۔ ہر ایجاد کو بعد میں پیش آنے والے کسی حادثے سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے قیاس کی نہیں ثبوت کی ضرورت ہے۔"

"مسٹر رائٹ۔" گیرارڈ نے کہا: "یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ڈیگرون کی موجودگی میں ان بکٹیریا کی افزائش کی رفتار عام پلاسٹک کے مقابلے میں دگنی ہوتی ہے۔"

"اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔" رائٹ نے مشتعل ہوتے ہوئے کہا۔

"ہوتا ہے مسٹر رائٹ۔ ڈیگرون کی پیداوار بند کر دینے سے بکٹیریا کی افزائش کی رفتار آدھی رہ جائے گی۔" جرمنی کے ڈاکٹر ہیر ڈ نے کہا۔

"اس سے آدھا مسئلہ حل ہوتا ہے۔" جاپانی مندوب نے کہا۔

"باقی آدھا مسئلہ باقی رہتا ہے۔" رائٹ نے تائید کی۔ "بکٹیریا ختم نہیں ہوتے۔"

"اس کے لئے دنیا میں جو دوائیں دستیاب ہیں وہ سب ان بکٹیریا کو تباہ کرنے میں غیر مؤثر ثابت ہوئی ہیں۔ سوائے نیومائی سین ڈی کے۔" امریکی سائنسداں البرٹ ڈکسن نے کہا۔

"یہ الگ بات ہے کہ نیومائی سین ڈی کا موجودہ ذخیرہ لندن کے لئے بھی کافی نہیں۔" روسی ڈاکٹر نے کہا۔ اس پر ایک ہلکا سا قہقہہ پڑا۔

"جو دوائیں مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں انہیں وسیع پیمانے پر استعمال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان سے انسانی زندگی، نباتات اور حیوانات کو بھی نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔" چینی سائنسداں نے کہا۔

"چنانچہ ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بکٹیریا کو پھیلنے سے روکنے کی طرف پہلا قدم ڈیگرون بوتل پر پابندی عائد کرنا ہوگا۔" ڈاکٹر کینڈل نے کہا۔

"یہ بے فائدہ ہے۔ بالکل بے مقصد ہے۔" رائٹ نے احتجاج کرتے ہوئے کہا: "بکٹیریا دوسرے پلاسٹک کو کھاتے رہیں گے۔"

"مسئلے کے دو پہلو ہیں مسٹر رائٹ۔ بکٹیریا کو پھیلنے سے روکنا اور ان کو تباہ کرنا۔" ڈاکٹر کینڈل نے کہا: "ڈیگرون ٹائم کی فراہمی روک کر ہم ایک مسئلے پر۔ اس کے ایک پہلو پر ....."

"تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بالکل کچھ نہیں۔" رائٹ نے غصہ ہوتے ہوئے کہا: "تم سب لوگ تنگ نظر، متعصب اور حاسد ہو۔ میں نوبل پرائز پر بھی لعنت بھیجتا ہوں اور تم سب پر بھی۔" وہ پیر پٹختا باہر نکل گیا۔ ایک منٹ کے لئے اجلاس پر مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ ایک میل دور ٹیلی اسکوپک لینس کی مدد سے کیمروں نے اس کے باہر نکلنے کی فوٹو اتار

لی۔ ڈارک روم میں فوٹوگرافر نے اس کے چہرے کو انلارج کیا اور اس کے ملتے کو بکیروں سے ایک سرخی بنائی: "ڈیگرون کے موجد کا واک آوٹ ڈیگرون کی تیاری پہ پابندی کے خلاف احتجاج۔ عالمی ادارہ صحت نے ڈیگرون کو انسانی استعمال کے ناقابل قرار دے دیا۔"

رائٹ کے جانے کے بعد کانفرنس ہال میں گیرارڈ نے مائکروفون سنبھالا "جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ ڈیگرون کی موجودگی میں بکیٹریا کی افزائش کی رفتار دگنی ہو جاتی ہے لیکن اسی چیز کو ہم بکیٹریا کے خاتمے کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔" سارے سر اسی طرف گھوم گئے۔ گیرارڈ ایک لمحے کے لئے رکا۔ "بکیٹریا ڈیگرون کو زیادہ شوق سے کھاتے ہیں۔ یہ ان کی پسندیدہ خوراک ہے۔ ہم انہیں اس خوراک میں زہر بھی دے سکتے ہیں اس طرح کہ وہ ہلاک ہو جائیں یا ان میں مزید افزائش کی صلاحیت نہ رہے۔ ڈیگرون تو ل میں کوئی ایسا کیمیائی مادہ شامل کیا جا سکتا ہے جو انہیں تو نقصان پہنچائے لیکن انسانی جسموں کی ہتیاں نہ ہو۔ یہ زہر بکیٹریا کو دگنی رفتار سے تباہ کرے گا یعنی کسی اور پلاسٹک سے ایک بکیٹریا پیدا ہو گا تو اتنی دیر میں دو ختم ہو جائیں گے۔" خاموشی کے ایک مختصر وقفے کے بعد کانفرنس کے مندوبین کے آپس میں اظہار خیال کا ملا جلا شور بلند ہوا۔ ڈاکٹر کینڈل نے باری باری سب کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر گیرارڈ۔ آپ کی تجویز قابل عمل ہے۔ بشرطیکہ" ڈاکٹر کینڈل نے کہا۔ "بشرطیکہ ڈیگرون میں کوئی ایسا کیمیائی عنصر شامل کیا جا سکے جس کے فارمولے میں۔ کیا یہ ممکن ہے۔؟"

"میرا خیال ہے رائٹ اس کا جواب دے سکتا ہے۔" گیرارڈ نے کہا۔ "میں اسے لے کر آتا ہوں۔" کانفرنس آدھے گھنٹے کے لئے ملتوی ہو گئی۔ مندوبین کے لئے کافی اور چائے لائی گئی۔ گیرارڈ نے رائٹ کو پچھلی طرف گھاس کے تختوں پہ طیش کے عالم میں ٹہلتے دیکھا۔ اس نے گیرارڈ کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

"رائٹ ـــ" اس نے آواز دی۔

"دفع ہو جاؤ۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں قتل کر دوں۔ میں کہتا تھا تم دوست ہو۔" اس کا چہرہ سرخ تھا۔

"میں تمہارا دوست ہوں۔ اب بھی۔" گیرارڈ نے کہا۔ "میں تمہیں ایک چیلنج دینے آیا ہوں۔ کانفرنس کی طرف سے۔ اور میں نے انہیں یقین دلایا ہے کہ تم اسے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔"

آدھے گھنٹے بعد کارروائی شروع ہوئی تو رائٹ نے کہا۔ "حضرات جو میں نے پہلے کیا تھا۔ اب بھی کر سکتا ہوں۔ میں اور گیرارڈ ہم خیال ہیں۔"

"کتنی دیر میں۔ کتنے دن میں۔" بہت سی آوازیں بلند ہوئیں۔

"دن۔؟ ۔ چوبیس گھنٹے۔ صرف ایک دن۔" رائٹ نے کہا۔

گیرارڈ نے اپنا سر تھام لیا۔ "ایک دن۔؟"

oooooooo

رات کے تین بجے تھے۔ گیرارڈ اور بیوشان، یکیلن اور رائٹ۔ سب کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ کئی سیاہ بورڈ چاک سے لکھی ہوئی کیمسٹری کی علامات سے بھرے پڑے تھے۔ انہیں بالکل احساس نہیں تھا کہ انہوں نے رات کا کھانا نہیں کھایا ہے اور صرف اس کافی کے سہارے کھڑے ہیں جو مس ڈیوس انہیں لا کر دیتی رہی تھی۔ سولہ گھنٹے بیت چکے تھے۔ آہستہ آہستہ کامیابی کی منزل قریب تھی۔ ان سب کے دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے۔ سب کے ماتھے پر ایک جیسی لکیریں تھیں۔ کسی کو نوبل پرائز کا خیال نہیں تھا۔ کسی کے ذہن میں نفع نقصان نہیں تھا۔ سب کے سامنے ایک چیلنج تھا اور اس چیلنج کے سامنے وہ سب ایک تھے۔ کہ آٹھ گھنٹے باقی ہیں۔ کوئی یہ نہیں سوچ رہا تھا کہ چوبیس گھنٹے کا وقت مانگ کر رائٹ نے حماقت کی تھی۔

تین بج کر دس منٹ پر رائٹ نے نئی بوتل کو بکٹیریا کے سامنے رکھا

بلبلے پیدا ہوئے اور بڑھنے لگے۔ وہ سانس روکے دیکھتے رہے مگر بلبلے پھیلتے گئے۔ آہستہ آہستہ ان کے چہرے پر مایوسی کے سائے پھیلنے لگے گیرارڈ نے بلبلوں کو ایک فلٹر پیپر میں جذب کیا اور شیشے کی سلائڈ پر چپکا دیا۔ میگنی فائنگ مائیکروسکوپ زوار ریگے ہوئے اسکرین پر بکٹیریا اور سائنائڈ آمیز ڈیگر ون کی جنگ کو پیش کر دیا۔ بکٹیریا تیزی سے پھیل رہے تھے۔ ڈیگر ون میں شامل زہر کو شکست ہو رہی تھی۔ پھر عین اس وقت جب وہ ناکامی کو قبول کرنے پر تیار ہو چکے تھے۔ بکٹیریا پسپا ہونے لگے۔ زہر کی فتح شروع ہوئی۔ ذرا سی دیر میں بکٹیریا فنا ہونے لگے۔ ان سب کے چہرے مسرت سے چمک اٹھے۔ بیوشان نے رائٹ کو کندھوں پر اٹھا لیا اور ناچنے لگا۔ یکیلن اور گیرارڈ کے قہقہوں کے شور نے مس ڈیوس کی ساری غنودگی دور کر دی۔ مس نے اندر آ کر دیکھا۔ "اوہ مائی گاڈ۔ اس نئی ایجاد نے بکٹیریا کا تو کچھ نہیں بگاڑا کریمر گروپ کو پاگل کر دیا۔ کریمر گروپ؟ کیسا کریمر گروپ۔؟ وہ بیچ بنانے والا ادارہ۔؟ نہیں۔ وہ تو کریمر کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ یہ تو کوئی اور لوگ ہیں۔ جنہیں اگر بکٹیریا اور ہیروں میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو وہ ہیروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ دیوانے لوگ۔"

یہی کوئی چوریاں ہو رہی تھیں۔ ایک امیر آدمی کو تشویش ہوئی کہ اتفاقات نہ اس کے گھر کا نہ ہو۔ چنانچہ اس نے بڑے سوچ بچار کے بعد اپنے دروازے پر ایک بورڈ لگا دیا جس پر تحریر تھا۔

"یہاں آنے کی کوشش نہ کریں۔ ہم نے اپنی پونجی بینک میں جمع کرا دی ہے۔"

دوسرے دن امیر آدمی نے دیکھا کہ بورڈ کے نیچے لکھا تھا:

"براہِ مہربانی بینک کا نام بھی تحریر کر دیجئے۔"
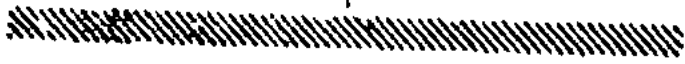
صبح تین بج کر چالیس منٹ پر نولاس لینڈ میں ٹیلی فون کی گھنٹی پر کان لگائے بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ ایک طویل میز کے گرد بورڈ آف ڈائریکٹرز کے رکن۔ چیئرمین، پروڈکشن اور سیلز کے چیف۔ گھنٹی بجتے ہی چیئرمین نے فون اٹھایا۔

"یس۔ ایڈورڈ نولاس۔" باقی لوگوں نے اس کے منہ سے اور کچھ نہیں سنا مگر اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ نے سب بتا دیا۔ تین منٹ بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "وہ لوگ کامیاب بھی ہو گئے ہیں اور پاگل بھی۔ وہ نئی بوتل کے لئے نیا معاہدہ نہیں کر رہے ہیں۔ وہ یہ فارمولا ہمیں بلا معاوضہ دے رہے ہیں۔"

ساڑھے چار بجے اس کا جہاز لندن کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ ایڈورڈ نولاس نے دوربین سے دیکھا۔ صبح کے اجالے میں دریائے ٹیمس کے دہانے پر ایک چھوٹی سی موٹر بوٹ کھڑی تھی۔ ہیری نے آخری بار فیول پمپ کو دیکھا۔ وہ بالکل ٹھیک تھا۔ اس کا ارادہ رات کی تاریکی میں نکل جانے کا تھا لیکن عین وقت پر فیول ٹینک سے پمپ تک آنے والی پلاسٹک کی نلکی خراب ہو گئی۔ اس نے اسے نکال پھینکا اور اس کی جگہ دوسری نلکی لگا دی۔ آدھے گھنٹے بعد جب وہ اس کام سے فارغ ہوا تو اس نے دیکھا کہ پرانی نلکی نے موٹر بوٹ کے سامنے والے پلاسٹک کو داغدار کر دیا ہے۔ پگھلا ہوا پلاسٹک قطرہ قطرہ بہہ کر ڈائل پر آ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا مطلب کیا ہے مگر اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ اس نے جیب سے چابی نکالی اور سپارک پلگ میں لگا دی۔ تمام ہیرے پلاسٹک کی تہہ بابن فلاسک میں بھری ہوئی کافی کی تہہ میں پڑے تھے اور تھرماس فلاسک نیچے کے کیبن میں رکھی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ بکٹیریا اسے بھی چاٹ چکے ہیں۔ انجن کے اندر تاروں کو کھا چکے ہیں۔ فرش کے دینائل کو ختم کر چکے ہیں اور اتنی گیس خارج کر چکے ہیں کہ وہ بارود کے ڈھیر پر کھڑا ہے انجن اسٹارٹ کرنے سے پہلے اس نے سگریٹ منہ میں لگائی اور ایک ہاتھ سے لائٹر جلاتے ہوئے دوسرے سے انجن کی چابی گھما دی۔

اوپر سے ایڈورڈ نولاس نے یوں دیکھا جیسے کسی نے پھلجھڑی سی

چھوڑتی ہے۔ چنگاریاں سی بلند ہوئیں اور غائب ہوگئیں۔ تیس لاکھ پونڈ کے ہیرے دریائے ٹیمس میں مل گئے۔ اسکی تہہ میں جا بیٹھے۔ موٹر بوٹ اور ہیری کی ہڈیوں کے ٹکڑوں کے ساتھ۔

پنولاس نے زہرآلود ڈیگروں کے ہزاروں ٹن پاوڈر کو پھیلا کر تین دن میں بکٹیریا کا خاتمہ کر دیا۔ نئی بوتلیں بازار میں آگئیں۔ لیکن اس نئی بوتل نے کروڑوں پرانی بوتلوں اور ڈبوں کو بے کار کر دیا۔ ایک ہنگامی قانون کے تحت ان کا استعمال خرید اور فروخت ممنوع قرار دے دی گئی۔ کریمر نے تین سو معاہدے کئے تھے اور ان سب پر پانی پھر گیا تھا۔ اب معاہدے کرنے والے مقدمے دائر کر رہے تھے۔ کریمر لیبارٹری دیوالیہ ہونے والی تھی اور اس کی چیئرمین مسز اینی کریمر نے ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا تھا۔ قانونی وارث کی حیثیت سے۔ رات کے دو بجے تھے۔ گیرارڈ بہت دیر سے سوچ رہا تھا کہ اسے اس اجلاس میں جانا چاہئے یا نہیں۔ یہ بات کہ ڈیگروں سے بکٹیریا کی نشوونما کی رفتار دگنی ہو جاتی ہے اس نے کہی تھی اور اس طرح اس نقصان کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی۔ اسکے علاوہ اس نے نباتاتی سولا کسی رائلٹی کے بغیر دے دیا تھا۔ منافع کمانے اور دیوالیہ ہونے سے بچنے کا آخری موقع بھی گنوا دیا تھا۔ اینی اس سے ناراض تھی یہ بھی ہے اس نے سوچا۔ میں اب کینیڈا لوٹ جاؤں گا۔ ایک ہفتے میں وہ ایک بار بھی گیرارڈ سے نہیں ملی تھی۔

چوبیس گھنٹے بعد ہونے والے اجلاس میں چیئرمین کے انتخاب کا مسئلہ بھی ہر شخص کے لئے بے چینی کا سبب تھا۔ لیکن جب اجلاس شروع ہوا تو چند منٹ کے اندر ختم ہوگیا۔ اینی کریمر نے صرف ایک مختصر سا اعلان کیا۔ "حضرات ابھی اس لمحے سے کریمر لیبارٹری ختم کی جاتی ہے۔ آپ لوگ آزاد ہیں۔ جہاں چاہیں جائیں۔ کریمر لیبارٹری جس نے قائم کی تھی وہ مر چکا ہے۔ قانونی معاہدوں کا نقصان میں پورا کر دوں گی۔" ایک منٹ تک وہ سب خاموش رہے۔ یوں جیسے وہ کسی صحرا میں تنہا رہ گئے ہیں۔

"تمہارا کیا ارادہ ہے۔ ہم تو خیر کہیں چلے ہی جائیں گے۔" سکیلن نے کہا۔ سیاست داں سکیلن نے۔

"میں۔؟ میں کینیڈا جا رہی ہوں۔ کیوں گیرارڈ۔؟" اس نے مسکرا کر گیرارڈ کی طرف دیکھا۔ گیرارڈ نے آہستہ سے سر ہلایا اور باہر دیکھنے لگا۔ برفباری کو۔ جو کینیڈا میں بھی ہو رہی ہوگی۔ اس وقت وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اینی کو اس کے لئے انگلینڈ چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں نہ وہ کینیڈا کو چھوڑ دے۔ بات تو ایک ہی ہے۔ مگر یہاں تین دوست بھی ہیں۔ رائٹ۔ ہوشان اور سکیلن۔! اس کے پرانے رفیق۔

اس نے ایک نظر ان سب کے چہروں کی طرف دیکھا۔ مایوس۔ دل گرفتہ۔ ایک لمحے پہلے وہ جس جذبے سے سرشار تھے وہ اچانک مر گیا تھا۔ انہوں نے سوچا تھا کہ اب چاندی کی وہ دیوار گر چکی ہے جو کریمر نے ان کے گرد حصار کی طرح کھینچ دی تھی اور ان کے تخیل کی پرواز کے لئے سائنس کا افق دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کی تخلیقی صلاحیت صرف کریمر کے لئے صرف سونے کا انڈا دینے والی مرغی کی ایجاد تک محدود نہیں رہی ہے۔ دنیا کے چار ارب انسانوں کی فلاح کے لئے وقف ہوگئی ہے۔ انہوں نے متفقہ فیصلے سے ڈیگرون کے نئے فارمولے کو بنی نوع انسان کی نذر کیا تھا۔ وہ قدم ملائے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ان عظیم انسانوں کے قافلے میں شامل ہونا چاہتے تھے جو ان سے آگے کامیابی کا علم اٹھائے ہوئے جا رہے تھے۔ ایک زیادہ پرمسرت دنیا کی تشکیل کے لئے۔ مگر اب وہ تنہائی کے صحرا میں کھڑے تھے اور انہیں اپنی سمت کا پتہ نہ تھا۔

"نہیں اینی۔" اس نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔ "ہم یہیں رہیں گے۔ ہم سب۔ کریمر لیبارٹری قائم رہے گی۔"

آہستہ آہستہ ہوشان اور رائٹ اور سکیلن کے چہروں پر امید اور رفاقت کی روشنی پھیلنے لگی۔ اور اینی نے گیرارڈ کا ہاتھ تھام لیا۔ ان سب کے سامنے کیونکہ وہ ایک ہی خاندان کے فرد تھے۔

باہر صبح کا ستارہ جگمگا رہا تھا۔ نوبل پرائز کی طرح۔!